فتح الله الأحد
بتوضيح
الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاري رح ٢٥٦ھ

جلد سوم

از افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ناشر

مکتبہ محمودیہ محمود نگر ڈابھیل

فتح الله الأحد

بتوضيح

الأدب المفرد

لمحمد بن إسماعيل الإمام البخاري رحمه الله ٢٥٦ھ

جلد سوم

ازافادات

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل

مکتبۂ محمودیہ محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

فہرست

بَابُ مَا يَجِبُ مِنْ عَوْنِ الْمَلْهُوفِ

٣٠٥ - حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِي مُرَاوِحٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَعْمَالِ خَيْرٌ؟ قَالَ: ''إِيمَانٌ بِاللّٰهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ''، قَالَ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ''أَغْلَاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ بَعْضَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: ''تُعِينُ ضَائِعًا، أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ؟ قَالَ: ''تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُهَا عَلَى نَفْسِكَ''.

بے سہارا اور پریشان حال کی مدد کا ضروری ہونا

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اعمال میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (گویا یہ وہ اعمال ہیں جو سب سے افضل ہیں) اس کے بعد دوسرا سوال یہ کیا کہ جو غلام آزاد کئے جاتے ہیں اس میں کونسا غلام آزاد کرنا سب سے بہتر ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو غلام قیمت کے اعتبار سے سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو اور اس کے مالک کی نظر میں سب سے عمدہ ہو۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اگر ان اعمال میں سے بعض اعمال میں نہ کرسکوں تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا آدمی جو بالکل بے یار و مددگار رہو ایسے آدمی کی مدد کر (یعنی ایسا آدمی کہ اگر اس کی خبر نہ لی جائے تو وہ بالکل ضائع اور برباد ہو جائے گا) یا کسی عاجز کا کام کردے (تاکہ تیری مدد کے ذریعہ سے اس کو سہارا ملے) سوال کرنے والے نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ بھی مجھ سے

نہ ہو سکے تو؟ (میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو انجام دوں) تو فرمایا کہ اپنی برائی سے لوگوں کو بچالو یہ بھی اپنے اوپر ایک صدقہ ہے جو تم کر رہے ہو۔

تشریح: یہ تو ظاہر ہے کہ اچھے اوصاف والے غلام کا آزاد کرنا آقا کے لیے زیادہ فضیلت والا عمل ہے اس لیے کہ ایسا غلام آقا کا محبوب ہوتا ہے اس کے باوجود آقا اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ قربانی دے کر اس کو آزاد کر رہا ہے، قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصول بتلا ہی دیا ہے ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ جو چیز تم کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو خرچ نہیں کرو گے وہاں تک تم کو پورا ثواب نہیں ملے گا، پوری نیکی تم کو حاصل نہیں ہوگی۔

لیکن ہر شخص غلام آزاد کر نہیں کر سکتا تو ایسے آدمی کے لیے کسی کی مدد کرنا یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے، کسی کی مدد کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ کام کر رہا ہے مگر اس کام کو اچھی طرح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو ایسے آدمی کی مدد کرنا بھی فضیلت والا عمل ہے، مثلاً ایک آدمی کو کھانا کھانے کی ضرورت ہے، وہ کھانا پکا رہا ہے مگر وہ کھانا پکانا اچھی طرح نہیں جانتا تو آپ ذرا اس میں اس کی مدد کر دیجیے، اسی طرح ایک مسافر اپنا سامان باندھ رہا ہے مگر باندھ نہیں سکتا تو اس کا ہاتھ بٹائیے، سامان باندھنے میں مدد کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ کسی کو کوئی کام کرنے میں مدد کی ضرورت ہے تو پھر اس کا ہاتھ بٹاؤ تو اس پر آپ کو اجر وثواب ملے گا۔ اور اگر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا تو کم از کم اتنا تو کر لے کہ اپنی برائی سے لوگوں کو بچالے یہ بھی اپنے اوپر ایک صدقہ ہے، یعنی تم سے بھلائی نہیں ہو سکتی تو کم از کم یہ تو کرو کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور اپنے شر سے، اپنی برائی سے دوسرے کو محفوظ کر لو۔

طاقتِ نیکی نہ داری بدمکن۔

بھائی! تم کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کرسکتے تو کم از کم کسی کے ساتھ برائی تو نہ کرو۔

۳۰۲ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي بُرْدَةَ، سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ جَدِّي، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: ''فَلْيَعْمَلْ، فَلْيَنْفَعْ نَفْسَهُ، وَلْيَتَصَدَّقْ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''لِيُعِنْ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''فَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ''، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: ''يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ، فَإِنَّهَا لَهُ صَدَقَةٌ''.

ترجمہ: حضرت سعید ابن ابی بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے دادا یعنی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے (یعنی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا، صدقہ دینے کا اہتمام کرے) اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! صدقہ کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہیں ہے تو پھر آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے کے لیے مال نہیں ہے تو مزدوری کرے تو اس سے جو آمدنی ہوگی اس سے اپنا فائدہ بھی ہوگا اور صدقہ کرنے کے لیے بھی راستہ کھلے گا (دونوں کام ہوجائیں گے، یہ سوچ کر کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے بیٹھا نہ رہے، اگر اپنے ہاتھ پیر ہلا سکتا ہے کچھ مزدوری کرسکتا ہے تو ضرور کرے) پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ بھی اگر نہ ہوسکے تو اس کے لیے آپ کیا ہدایت دیتے ہیں؟ اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کسی بے سہارا آدمی کی مدد کرے تو یہ بھی گویا اس کے لیے نیکی کا کام ہے، اس پر پوچھنے والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ بھی نہ ہوسکے تو اس

کے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کو بھلی بات کا حکم دے۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اللہ کے رسول! اگر یہ بھی کسی سے نہ ہوسکے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنی برائی کو روک دے (یعنی کسی کو تکلیف نہ پہنچائے، کسی کو اپنی ذات سے کوئی شر نہ پہنچائے یہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے اتنا تو وہ کرسکتا ہے)۔

بَابُ مَنْ دَعَا اللهَ أَنْ يُحَسِّنَ خُلُقَهُ

٣٠٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعَمَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ رَافِعٍ التَّنُوخِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكْثِرُ أَنْ يَدْعُوَ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ، وَالْعِفَّةَ، وَالْأَمَانَةَ، وَحُسْنَ الْخُلُقِ، وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ.

کوئی آدمی اس دعا کا اہتمام کرے کہ اللہ تعالیٰ میرے اخلاق کو اچھا بنادے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کثرت سے یہ دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تندرستی کا (تندرستی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اگر یہ ہے تو بندہ اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اللہ کے احکامات کو بجالاسکتا ہے، ورنہ بہت ساری نعمتوں سے آدمی محروم ہوجاتا ہے) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں پاک دامنی کا (یعنی وہ گناہ جو آدمی کی شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں ان سے بچنے کا اہتمام ہو) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں امانت داری کا (آدمی پر جن

کاموں کو انجام دینے کے سلسلے میں اعتماد اور بھروسا کیا جاتا ہے وہ امانت کہلاتے ہیں، آپ کسی کے یہاں ملازم ہیں اور آپ کو جو ذمہ داری حوالے کی گئی یہ ذمہ داری بھی آپ کے لیے امانت ہے، اب آپ کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ آپ اس کام کو پورے طور پر انجام دیں، اس میں کسی کوتاہی کا ارتکاب نہ کریں، اسی طرح ہر وہ ذمہ داری جس میں اس پر اعتماد اور بھروسا کیا گیا ہو اس کو پورے طور پر انجام دینا بھی امانت کہلاتا ہے) اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اچھے اخلاق کا اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فیصلے پر راضی رہنے کا (اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کر دیا اس پر آدمی دل سے راضی رہے یہ بھی گویا بہت اعلیٰ صفت ہے جس کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بہت قدر و قیمت ہے)۔

فائدہ: اخلاق کی درستگی کے لیے آدمی جہاں کوشش کرے، تدبیریں اختیار کرے، ریاضت و مجاہدہ کرے وہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کا بھی اہتمام کرے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں چیزیں شرعاً مطلوب ہیں، اخلاق کی درستگی کے لیے مناسب تدبیریں بھی اختیار کرنی چاہئیں اور اس کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

نبیٔ کریم ﷺ کثرت سے جن دعاؤں کو مانگنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اس میں اچھے اخلاق کا بھی سوال کیا گیا ہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو نبیٔ کریم ﷺ کو اچھے اخلاق سے نواز رکھا تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾.

بیشک آپ بڑے اونچے اخلاق کے مالک ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ. (مشکاۃ شریف باب الرفق والحیاء والحسن الخلق الفصل الثالث ص ۴۳۲)

کہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کو کمال تک پہنچاؤں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو آپ کو اخلاق کے بالکل اعلیٰ مقام پر پہنچایا تھا، یہ دعا جو آپ فرمارہے ہیں اس سے امت کو آپ تعلیم دے رہے ہیں کہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس دعا کا اہتمام کرے۔

٣٠٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ قَالَ: حَدَّثَنَا جعْفَرٌ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقُلْنَا: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، مَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، تَقْرَؤُونَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَتِ: اقْرَأْ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون:١]، قَالَ يَزِيدُ: فَقَرَأْتُ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ [المؤمنون:١] إِلَى ﴿لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ المؤمنون، قَالَتْ: هَكَذَا كَانَ خُلُقُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ و تشریح: حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے ان سے پوچھا کہ؛ اے ام المؤمنین! نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم آپ کا اخلاق ہے (یعنی قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن صفات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے وہ ساری صفات اور خوبیاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں، قرآن میں جن صفات کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے وہ ساری حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں) چنانچہ یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ پڑھو ﴿قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ﴾ حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد پر میں نے پڑھا ﴿قَد اَفلَحَ المُؤمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُم فِي صَلَاتِهِم خٰشِعُونَ ﴿٢﴾ وَ الَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ ﴿٣﴾ وَ الَّذِينَ هُم لِلزَّكٰوةِ

فٰعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ﴾ یہاں تک میں نے پڑھا (ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں کی فلاح اور کامیابی کا وعدہ کیا ہے، ترجمہ: تحقیق کہ ایمان والے کامیاب ہو گئے، لفظ فلاح میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں شامل ہیں، ایمان والے وہ ہیں ﴿الَّذِينَ هُم فِي صَلَاتِهِم خٰشِعُونَ﴾ جو اپنی نمازوں میں خشوع اور خضوع کا اہتمام کرتے ہیں، خشوع سکون وطمانیت کو کہتے ہیں، قلب کا سکون یہ ہے کہ قلب ادھر ادھر خیالات کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اعضاء کا سکون یہ ہے کہ نگاہیں ہاتھ پاؤں جس طرح نماز میں رہنا چاہئیں اس طرح رہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم عَنِ اللَّغوِ مُعرِضُونَ﴾ جو لوگ بیکار بات ہو یا بیکار کام ہو اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے دور رہتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُونَ﴾ اور جو لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ﴾ اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں) حضرت یزید ابن بابنوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہاں تک (وَالَّذِينَ هُم لِفُرُوجِهِم حٰفِظُونَ تک) یہ آیت تلاوت کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق تھے یعنی گویا آپ ان صفات سے متصف تھے۔

بَابُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ

۳۰۹ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ شَيْبَةَ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: مَا سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ لَاعِنًا أَحَدًا قَطُّ، لَيْسَ إِنْسَانًا. وَكَانَ سَالِمٌ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا“ .

مومن طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہوتا

ترجمہ و تشریح: حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کبھی کسی پر لعنت ملامت کرتے ہوئے نہیں سنا (نہ کسی جانور پر، نہ کسی انسان پر اور نہ ہی کسی اور چیز پر) اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مومن کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ وہ لوگوں پر لعنت کرنے والا ہو۔

فائدہ: لعنت کہتے ہیں کسی کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری کی بددعا کرنا کہ فلاں پر لعنت ہو یعنی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ایک مومن کی شان اور عادت یہ نہیں ہے کہ وہ کسی پر طعن کرے جس کو taunting کرنا کہتے ہیں یعنی کسی کو طعنہ دینا یہ مومن کی صفت نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کہ وہ کسی کے لیے اس طرح کی بددعا کرے اور بددعا کے الفاظ کہے۔

۳۱۰ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَزَارِيُّ، عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُبَشِّرٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَلَا الصَّيَّاحَ فِي الْأَسْوَاقِ".

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بے حیائی کی بات کہنے والے کو پسند نہیں فرماتا اور بازاروں میں چیخنے چلانے والے کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

فائدہ: ’’فاحش‘‘ اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا مزاج ہی طبعی طور پر بے شرمی کی باتیں کرنے کا ہو اور متفحش اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مزاج اور طبیعت تو اس طرح کی نہیں ہے لیکن وہ تکلف کر کے کبھی لوگوں کو خوش کرنے کے لیے یا کسی اور وجہ سے ایسا کر لیتا ہے، دونوں قسم کے لوگ چاہے وہ طبعی طور پر فحش گوئی کرتے ہوں اور بے حیائی کی باتیں کہتے ہوں یا بہ تکلف ایسا کرتے ہوں دونوں میں سے کسی کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

٣١١ - وَعَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّ يَهُودًا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: وَعَلَيْكُمْ، وَلَعَنَكُمُ اللهُ، وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْكُمْ، قَالَ: ”مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ“، قَالَتْ: أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: ”أَوَ لَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ، فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ، وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ“.

ترجمہ وتشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ یہودی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو السلام علیکم کہنے کی بجائے ’’لا‘‘ کو نکال کر السام علیکم کہا (سام عربی زبان میں موت کو کہتے ہیں تمہیں موت آئے بجائے اس کے کہ تم پر سلامتی ہو،) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں موجود تھیں انہوں نے یہ سنا تو ان کو بہت طیش آیا، اور انہوں نے کہا تم کو بھی موت آئے، تم پر اللہ کی لعنت ہو، تم پر اللہ کا غضب ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ فرمائی کہ اے عائشہ! ذرا ٹھہرو یہ کیا؟ ذرا نرمی اختیار کرو اور سختی اور بد کلامی سے بچو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے

تنبیہ فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے کیا کہا آپ نے نہیں سنا؟ (شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھیں کہ حضور کو پتہ نہیں چلا کہ انہوں نے السام علیکم کہا) اس پر حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کہا وہ تم نے نہیں سنا؟ انہوں نے جو الفاظ مجھے کہے تھے وہی میں نے لوٹائے (انہوں نے کہا السام علیکم میں نے کہا وعلیکم، انہوں نے کہا کہ تم کو موت آئے، میں نے کہا تم کو بھی۔ جب کوئی آدمی تم کو السلام علیکم کہے اور تم کہو وعلیکم، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دعا اس نے دی وہ دعا آپ اس کو دے رہے ہیں اور یہاں انہوں نے سلام کے بجائے موت کی بد دعا دی تھی تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں خالی وعلیکم فرمایا گویا انہوں نے جو بات مجھے کہی وہی بات میں نے ان کو لوٹا دی میں نے کچھ اور نہیں کہا) اور یہ بات یاد رکھو کہ ان کے سلسلے میں میری بد دعاء اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاتی ہے لیکن وہ میرے لیے بد دعا کرتے ہیں وہ قبول نہیں ہوتی، اس لیے یہ خود اپنا ہی نقصان کرر ہے ہیں (اگر یہ السام علیکم مجھے نہ کہتے تو جواب میں میں وعلیکم نہ کہتا اور ظاہر ہے ان کو یہ بد دعا نہ لگتی۔ بہر حال یہاں تو اس روایت کو لا کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے سخت رویہ اختیار کرنے پر تنبیہ فرمائی)۔

۳۱۲ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن نہ تو طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے (یعنی کسی کو taunt بھی نہیں کرتا اور نہ کسی پر لعن طعن کرتا ہے) اور نہ وہ بدکلامی کرتا ہے (یعنی بے حیائی کی بات اپنی زبان سے نہیں نکالتا) اور نہ وہ منہ پھٹ ہوتا ہے۔

٣١٣ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ سَلْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:"لَا يَنْبَغِي لِذِي الْوَجْهَيْنِ أَنْ يَكُونَ أَمِينًا".

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو رخ والا آدمی قابل اعتماد نہیں ہوتا (یعنی جو آدمی لوگوں سے دوغلی پالیسی اپناتا ہے، ایک کے سامنے اس کے مخالف کی برائی کرتا ہے اور اس کی ہمدردی کے الفاظ اختیار کرتا ہے اور پھر اس کے مخالف کے پاس جا کر اس کی برائی کرتا ہے اور اس کے مخالف کی ہمدردی کی باتیں کرتا ہے یہ ڈبل اور دوغلی پالیسی کرنے والا ذی الوجہین دو رخ والا ہے)۔

٣١٤ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: "أَلْأَمُ أَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِ الْفُحْشُ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن کی صفات میں اور مومن کی عادات میں سب سے زیادہ بری عادت فحش گوئی اور بے حیائی کی باتیں کرنا ہے۔

فائدہ: جس آدمی کی زبان بے حیائی کی باتیں کہنے والی ہو وہ سب سے زیادہ برا آدمی ہے اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے، بعض لوگ تو بے حیائی کی باتوں کو اپنے لیے کمال سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

٣١٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، يَقُولُ: لُعِنَ اللَّعَّانُونَ "قَالَ مَرْوَانُ الَّذِينَ يَلْعَنُونَ النَّاسَ".

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو لوگوں پر لعنت کرتے ہیں خود ان پر لعنت ہوتی ہے، مروان نے کہا کہ اللَّعَّانُونَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر لعنت کرتے ہیں (جو دوسروں پر لعنت کرتے ہیں انہی پر لعنت کی گئی ہے اور وہی اللہ کی رحمت سے دور کیے جاتے ہیں)۔

فائدہ: حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے جب وہ آسمان پر پہنچتی ہے تو آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کر دئے جاتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف لوٹتی ہے اور زمین میں اپنے لیے جگہ تلاش کرتی ہے جب کوئی جگہ نہیں ملتی تو جس کے اوپر لعنت کی گئی اس کے پاس جاتی ہے، اگر وہ اس کا حق دار ہے یعنی وہ اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اس لائق ہے کہ اس پر لعنت بھیجی جائے تو اس کو پڑتی ہے ورنہ پھر اس کے پاس سے لوٹ کر لعنت کرنے والے کے پاس جاتی ہے اور اسی پر پڑتی ہے۔ جو لعنت کرنے والے ہیں وہ دوسروں کو اللہ کی رحمت سے دور نہیں کرتے بلکہ وہ خود ہی اللہ کی رحمت سے دور ہو جاتے ہیں، اس لیے جس کا مزاج بددعا کا ہوتا ہے اور بار بار لوگوں کے لیے بددعائیں کرتا ہے تو جس کے لیے بددعا کی گئی ہے اگر وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو یہ بددعا خود اس بددعا کرنے والے پر پڑتی ہے لہٰذا اس سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ اللَّعَّانِ

۳۱۶ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ، وَلَا شُفَعَاءَ''.

بہت زیادہ لعنت کرنے والا

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں وہ قیامت کے دن نہ تو گواہ بنیں گے نہ سفارشی۔

فائدہ: حدیث شریف میں لفظ اللَّعَّانَ استعمال کیا ہے یعنی جس کا مزاج اور طبیعت بن چکی ہو اور وہ کثرت سے لعنت ملامت کرتا رہتا ہو اس کے لیے یہ حکم ہے، اگر کسی سے کبھی کبھار اتفاقیہ طور پر کوئی لعنت کا جملہ نکل جاتا ہے تو اس پر یہ وعید نہیں ہے۔

اس امت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ وہ اگلی امتوں کے معاملہ میں گواہی دیں گے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پوچھیں گے ہم نے اپنا پیغام اور اپنے احکام بندوں تک پہنچانے کا آپ کو ذمہ دار بنایا تھا، آپ کو یہ کام سونپا تھا، آپ نے ہمارے احکام اور پیغام ہمارے بندوں تک پہنچائے؟ چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا جائے گا تو وہ عرض کریں گے کہ ہاں باری تعالیٰ آپ کا پیغام اور آپ کے احکام آپ کے بندوں تک پہنچائے۔ اس کے بعد آپ کی

امت اور آپ کی قوم سے پوچھا جائے گا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو آپ کے پاس اپنا پیغام اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا تھا کیا انہوں نے ہمارا پیغام اور ہمارے احکام تم لوگوں تک پہنچائے؟ وہ جواب میں کہیں گے: ﴿مَا جَآءَنَا مِن بَشِيرٍ وَّ لَا نَذِيرٍ﴾ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا نہیں آیا اور کسی نے کوئی پیغام نہیں پہنچایا۔ تو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مطالبہ ہوگا کہ آپ جو کہہ رہے ہیں کہ میں نے پیغام پہنچایا آپ کی قوم تو منع کر رہی ہے آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ تو بطور گواہ کے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ السلام امت محمدیہ کو پیش کریں گے اور امت محمدیہ گواہی دے گی کہ ہاں! باری تعالیٰ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کا پیغام اور آپ کے احکام آپ کے بندوں تک پہنچائے، وہاں گواہ پر جرح کی جائے گی کہ تم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کہاں موجود تھے؟ تم کیسے گواہی دیتے ہو؟ تو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے گی کہ اے باری تعالیٰ! آپ نے ہمارے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآن پاک اتارا اس کے اندر آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس بھیجا اور انہوں نے پیغام پہنچایا اور قوم نے ان کو جھٹلایا، چنانچہ امت محمدیہ گواہی دے گی، لیکن کثرت سے لعنت کرنے والے گواہ نہیں بنیں گے یعنی دوسری امت کے خلاف گواہ بننے کی اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو سعادت اور فضیلت اس امت کو عطا فرمائی ہے اور ان کو جو خصوصی امتیاز بخشا ہے وہ بات ان کو حاصل نہیں ہوگی۔ بعضوں نے کہا کہ کثرت سے لعنت ملامت کرنے کے نتیجہ میں ان لوگوں کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ کسی بھی معاملے کے گواہ بننے کے لیے اس کا عادل ہونا یعنی دیندار ہونا ضروری ہے اور جو شخص کثرت سے

لعنت ملامت کرنے والا ہووہ گویا عادل نہیں ہے یعنی عدالت والی صفت جوایک گواہ کے لیے گواہی کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہوا کرتی ہے وہ ختم ہوجاتی ہے اس لیے گویا دنیا کے اعتبار سے بھی وہ گواہ بننے کے قابل نہیں ہوتا۔ بعضوں نے شہداء سے راہ خداہ میں شہادت کا مرتبہ مراد لیا ہے یعنی جولوگ کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت کی سعادت عطانہیں فرماتے۔

اور کثرت سے لعنت کرنے والے شفیع اورسفارشی نہیں بنیں گے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دوسرے مسلمانوں کے لیے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں گئے ہیں ان کے حق میں سفارش کرنے کی اجازت دیں گے تو یہ جو کثرت سے لعنت کرنے والے ہیں ان کو یہ بات بھی حاصل نہیں ہوگی۔

٣١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنِ الْعَلَاءِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَنْبَغِي لِلصِّدِّيقِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جوشخص صدیق ہواس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ لعنت کرنے والا ہو۔

٣١٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي ظَبْيَانَ، عَنْ حُذَيْفَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: مَا تَلَاعَنَ قَوْمٌ قَطُّ إِلَّا حُقَّ عَلَيْهِمُ اللَّعْنَةُ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی قوم جب آپس میں ایک

دوسرے پر لعنت بھیجتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کی حق دار ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اپنے آپ کو لعن طعن والے الفاظ استعمال کرنے سے روکنا چاہیے۔
مسلم شریف میں روایت موجود ہے، ریاض الصالحین میں بھی یہ روایت گذری ہے کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سفر میں تشریف لیجا رہے تھے کہ قافلہ میں ایک آدمی کا اونٹ چلتا نہیں تھا، سواری کے جانور کو چلانے کے لیے مالک کی طرف سے جو کوششیں کی جاتی ہیں وہ ساری کوششیں کر ڈالنے کے باوجود جب اس کے اندر تیز رفتاری نہیں آئی تو تنگ آکر اس کی زبان سے یہ نکلا کہ لعنت ہو، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس پر جو سامان وغیرہ ہے وہ اتار لو اور اس جانور کو ہمارے قافلے سے الگ کردو جس پر لعنت کی گئی ایسا جانور ہمارے قافلے میں نہیں رہنا چاہیے۔

باب من لَعَنَ عَبْدَهُ فَأَعْتَقَهُ

٣١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ رضی اللہ تعالیٰ عنها، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه لَعَنَ بَعْضَ رَقِيقِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَا أَبَا بَكْرٍ، اللَّعَّانِينَ وَالصِّدِّيقِينَ؟ كَلَّا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ“، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَعْتَقَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنه يَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِيقِهِ، ثُمَّ جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: لَا أَعُودُ.

اپنے غلام پر لعنت بھیجے تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی

اللہ عنہ اپنے کسی غلام سے اس کی کسی بات پر ناراض ہوئے تو اس پر لعنت بھیجی کہ لعنت ہو تم پر، یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا تو یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر! لعنت کرنے والے اور صدیق دونوں جمع نہیں ہو سکتے، ہرگز نہیں رب کعبہ کی قسم (یعنی ایک آدمی صدیق بھی ہو اور پھر وہ لعنت بھی بھیجے یہ نہیں ہوسکتا، دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں) دو یا تین مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس جملے کے کفارے اور توبہ کے طور پر کچھ غلام آزاد کئے (بلکہ اس غلام کو بھی جس پر لعنت بھیجی تھی آزاد کیا) اور اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا (گویا آپ نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی میری زبان سے ایسا جملہ اور ایسا لفظ نہیں نکلے گا)۔

فائدہ: حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ خاص صفت تھی کہ کسی چیز پر ان کو اگر ٹوکا جاتا تو دوبارہ ان سے وہ کام سرزد نہیں ہوتا تھا۔

بَابُ التَّلَاعُنِ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَبِغَضَبِ اللّٰهِ وَبِالنَّارِ

۳۲۰ - حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تَتَلَاعَنُوا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ، وَلَا بِغَضَبِ اللّٰهِ، وَلَا بِالنَّارِ“.

اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور اللہ کی آگ (جہنم میں جانے) کی لعنت بھیجنے کا باب

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا

کہ آپس میں اللہ کی لعنت، اللہ کا غضب اور جہنم کی بد دعا نہ دیا کرو۔

فائدہ: ایک دوسرے کو اس طرح کہنا کہ اللہ کی لعنت ہو، یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہو گویا جس پر لعنت کی جا رہی ہے اس کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بد دعا دی جا رہی ہے، پہلے بھی بتلایا جا چکا ہے کہ زبان سے جو لعنت کے کلمات نکالے جاتے ہیں ان لعنتی کلمات نکالنے والوں کا انجام بہت برا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو وہ لعنت اوپر آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس کے لیے بند کر دئے جاتے ہیں، وہاں سے زمین کی طرف آتی ہے، زمین میں وہ اپنے لیے مناسب جگہ تلاش کرتی ہے، وہاں جگہ نہیں ملتی تو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے اس کے پاس جاتی ہے اگر وہ حق دار ہو یعنی اپنے برے اعمال کی وجہ سے اس لائق ہو کہ اللہ کی رحمت سے دور کیا جائے تو پھر اس پر پڑتی ہے اور اگر وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو اس صورت میں لعنت کرنے والے پر پڑتی ہے۔ اسی لیے آپ نے عام طور پر دیکھا ہوگا کہ جو لوگ بد دعائیہ کلمات نکالتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ خود ہی پریشان رہتے ہیں۔

بَابُ لَعْنِ الْكَافِرِ

۳۲۱ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا يَزِيدُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ، قَالَ: ''إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَلَكِنْ بُعِثْتُ رَحْمَةً''.

کافر کے اوپر لعنت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی گئی کہ اے اللہ کے رسول! آپ مشرکین کے لیے بد دعا کیجئے، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت بھیجنے والا یعنی بد دعا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

فائدہ: کافر کے کسی برے کرتوت کی وجہ سے لعنت بھیجی جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اسمیں بھی بلاوجہ نہیں پڑنا چاہیے۔

بَابُ النَّمَّامِ

٣٢٢ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هَمَّامٍ: كُنَّا مَعَ حُذَيْفَةَ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ“.

چغلی کی قباحت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کی باتیں پہنچاتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ چغلی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

فائدہ: نَمَّامٌ اور قَتَّاتٌ دونوں ہم معنیٰ ہی ہے، ایک ہی مفہوم کے لیے

آتے ہیں اور بعض حضرات نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ نمام تو کہتے ہیں اس شخص کو جس نے خود اپنے کان سے کوئی بات سنی، اپنی آنکھوں سے دیکھی اور وہ بات دوسرے تک فساد کی غرض سے پہنچائی اور قتات کہتے ہیں اس شخص کو کہ اس نے خود دیکھا نہیں، صرف کسی سے سنا کہ فلاں فلاں کے متعلق یوں کہہ رہا ہے اب وہ اسے سن کر دوسرے تک پہنچادے اس کو قتات کہتے ہیں۔

چغلی کسے کہتے ہیں؟

چغلی کہتے ہیں ایک آدمی کی بات دوسرے تک بغرض افساد یعنی خرابی اور فساد پھیلانے کی نیت سے پہنچانا، مثلاً کسی نے کوئی بات کہی، یا کسی کی برائی کر دی اب جس نے سنی تھی وہ جس کی برائی کی تھی اس کو کہہ رہا ہے کہ فلاں نے تمہارے متعلق یوں کہا حالانکہ کہنے والا اس کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا، اگر بات پہنچانے والے کی نیت یہی ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں میں خرابی پیدا ہو، اور فساد پھیلے تو یہ چغلی ہے اور اگر اس کی نیت افساد کی نہیں ہے کوئی اور نیت ہے مثلاً یہ ہے کہ جس کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے اس کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بھائی تمہارے متعلق ایسا کہا جاتا ہے ذرا احتیاط سے رہو، مقصد افساد نہیں ہے، خیر خواہی ہے تو اس صورت میں وہ چغلی میں داخل نہیں لیکن بہر حال اصلاح ہے یا افساد ہے نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس لیے ہر حال میں ایسی چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

۳۲۳ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ

رضی اللہ تعالیٰ عنہاقَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللهُ، أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "الْمَشَّاؤُونَ بِالنَّمِيمَةِ، الْمُفْسِدُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، الْبَاغُونَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ".

ترجمہ وتشریح: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں جو سب سے بہترین لوگ ہیں ان کا پتہ نہ بتاؤں کہ وہ کون لوگ ہیں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ضرور بتلایئے، تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے (یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ لوگوں کی نگاہ ان کے چہرے پر پڑتی ہے تو اللہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں جو سب سے بدتر لوگ ہیں ان کا پتہ نہ بتاؤں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ضرور بتلایئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی چغلیاں کرتے ہیں (یعنی ایک کی بات دوسرے کو فساد کی غرض سے پہنچاتے ہیں) دوستوں کے درمیان فساد پیدا کرتے ہیں (دو دوست ہیں ایک کی بات دوسرے تک پہنچادی اور دونوں کی دوستی ختم کرادی اور تعلقات میں بگاڑ پیدا کردیا، دشمنی پیدا کردی، یہ سب سے بدتر لوگ ہیں) اور جو بَری یعنی کسی جرم سے بَری ہے ایسے لوگوں کو مشقت میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں (یعنی بعض لوگوں کا مزاج ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کسی جرم میں ملوث نہیں ہے اس کے باوجود ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کو مصیبت میں پھانسے یہ سب سے بدتر لوگ ہیں)۔

بَابُ مَنْ سَمِعَ بِفَاحِشَةٍ فَأَفْشَاهَا

۳۲۴ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ أَيُّوبَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ حَسَّانَ بْنِ كُرَيْبٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: الْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ، وَالَّذِي يُشِيعُ بِهَا، فِي الْإِثْمِ سَوَاءٌ.

کسی کی سنی ہوئی بے حیائی کی بات کو پھیلانا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا کہ جو آدمی اپنی زبان سے بے حیائی کی بات نکالتا ہے وہ اور دوسرا جو اس بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے (یعنی لوگوں میں پھیلاتا ہے کہ فلاں نے یوں کہا) تو دونوں گناہ میں برابر ہیں (اس لیے کہ بولنے والے نے تو بول کر بات ختم کردی تھی پھیلانے والے نے دوسروں تک پہنچا کر اس برائی کو گویا اور زیادہ تقویت پہنچائی)

تشریح: کسی کی زبان سے کوئی بری بات کسی کے متعلق سنی تو آپ اس کو بس اپنے تک محدود رکھیں، کسی دوسرے کے سامنے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، کسی کی برائی آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی تو بھی اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس برائی کو وہیں تک محدود رکھیں، کسی دوسرے کے سامنے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں، آپ دوسروں کے سامنے بیان کریں گے تو گویا آپ اس برائی کو پھیلا رہے ہیں، اس لیے کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی برائی کا جب تذکرہ کیا جاتا ہے تو سن کر اس برائی کو کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ایسی برائی کا تذکرہ کرنا بھی برا ہے اس سے بھی منع کیا گیا۔

٣٢٥ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ شُبَيْلِ بْنِ عَوْفٍ رحمه الله قَالَ: كَانَ يُقَالُ: مَنْ سَمِعَ بِفَاحِشَةٍ فَأَفْشَاهَا، فَهُوَ فِيهَا كَالَّذِي أَبْدَاهَا .

ترجمہ: حضرت شبیل بن عوف رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہ بات گویا ان کے زمانہ میں عام طور پر سمجھی جاتی تھی اور کہی جاتی تھی کہ جس نے کوئی بری بات سنی اور پھر اس کو پھیلایا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس بری بات کو انجام دینے والا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس نے کوئی برائی تو نہیں کی مگر اسے ہوتے ہوئے دیکھا یا اس کے متعلق سنا اور پھر اس برائی کو لوگوں میں پھیلایا تو کرنے والا جیسا گنہگار ہے پھیلانے والا بھی ایسا ہی گنہگار ہے، اس لیے کہ برائی کا لوگوں میں تذکرہ کرنے کے نتیجہ میں بھی لوگوں کے دلوں میں اس برائی کی طرف رغبت اور میلان پیدا ہوتا ہے تو گویا یہ برائی کا تذکرہ اس برائی کے لوگوں میں پھیلنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

٣٢٦ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، رحمه الله أَنَّهُ كَانَ يَرَى النَّكَالَ عَلَى مَنْ أَشَاعَ الزِّنَا، يَقُولُ: أَشَاعَ الْفَاحِشَةَ .

ترجمہ وتشریح: حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ اکابرین تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ کوئی آدمی اگر کسی کے زنا کا تذکرہ لوگوں کے درمیان کرتا ہے کہ کسی نے زنا کیا (کسی آدمی نے کسی کے ساتھ بدفعلی کی اور دوسرا آدمی لوگوں کے اندر اس کا تذکرہ کرتا ہے) تو جس طرح اس زنا کا مرتکب سزا کا مستحق ہے اسی طریقہ سے جو اس برائی کو پھیلا رہا ہے اس کو بھی سزا دینی چاہیے۔

بَابُ الْعَيَّابِ

٣٢٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ ظَبْيَانَ، عَنْ أَبِي يَحْيَى حَكِيمِ بْنِ سَعْدٍ رحمه الله قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رضى الله عنه يَقُولُ: لَا تَكُونُوا عُجُلًا مَذَايِيعَ بُذُرًا، فَإِنْ مِنْ وَرَائِكُمْ بَلَاءً مُبَرِّحًا مُمْلِحًا، وَأُمُورًا مُتَمَاحِلَةً رُدُحًا .

لوگوں کے اندر عیب پیدا کرنے والا

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جلد باز اور لوگوں کی برائی کی باتوں کو لوگوں کے درمیان پھیلانے والے اور لوگوں کے بھیدوں کو کھولنے والے مت بنو اس لیے کہ تمہارے بعد ایسی بلائیں نازل ہونے والی ہیں جو بڑی سخت اور ترش رو (یعنی آدمی کو مشقت میں ڈالنے والی ہیں) اور ایسے فتنے ہیں جو طویل اور بڑے با مشقت و گراں ہیں۔

تشریح: لَا تَكُونُوا عُجُلًا ''عجول'' کہتے ہیں جلد باز اور ''مَذَايِيْع'' یہ مِذْيَاع کی جمع ہے ''مِذْياع'' وہ جو کسی بات کو لوگوں کے اندر پھیلاتا ہو، اسی لیے ریڈیو کو بھی عربی زبان کے اندر مذیاع کہتے ہیں وہ باتیں پھیلانے کا کام کرتا ہے) بُذْراً یہ بَذَر کی جمع ہے وہ آدمی جس کے پیٹ کے اندر کوئی بات نہ رہتی ہو یعنی راز کو چھپاتا نہ ہو بلکہ لوگوں میں پھیلانے کا کام کرتا ہو۔ یہاں اس روایت کو اس لیے لائے کہ جو حضرات لوگوں کے عیب کو لوگوں کے درمیان پھیلاتے اور کھولتے ہیں وہ بھی برائی کا ارتکاب کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُموراً مُتَمَاحِلَةً مُتطاوِلة یعنی لمبے زمانہ تک چلنے والے ایسے فتنے جو لوگوں کو بڑی مشقت اور بڑی پریشانی

میں ڈالتے ہیں تو ایسے موقع پر اس قسم کے لوگ ان فتنوں کو مزید ہوا دینے کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے اس کام سے منع فرمایا۔

۳۲۸ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ أَبِي يَحْيَى، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه قَالَ: إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَذْكُرَ عُيُوبَ صَاحِبِكَ، فَاذْكُرْ عُيُوبَ نَفْسِكَ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ نقل کیا کہ جب تم یہ چاہو کہ اپنے ساتھی کے عیب کو خوب تلاش کرو یا یاد کرو تو اپنے عیوب یاد کرلو۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہارے جی میں اگر دوسرے کے عیوب کو دیکھنے کا تقاضا پیدا ہو تو دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کی بجائے اپنے عیوب کی طرف نظر کرو، اپنے عیوب کو دیکھنا دوسروں کے عیوب سے تمہاری نظروں کو ہٹانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۳۲۹ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَوْدُودٍ، عَنْ زَيْدٍ مَوْلَى قَيْسٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ [الحجرات: ١١]، قَالَ: لَا يَطْعَنُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقولہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد ﴿لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کی تشریح میں نقل کیا کہ تم میں سے کوئی کسی پر طعن نہ کرے یعنی کسی پر عیب نہ لگائے۔

تشریح: ﴿لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (برے ناموں سے مت پکارو)

قرآن کریم نے یہ انداز اختیار کیا کہ گویا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارا اپنے بھائی پر عیب لگانا ایسا ہی ہے جیسا اپنے اوپر عیب لگانا، اپنی عزت کی حفاظت کے اعتبار سے جو حیثیت آپ کو حاصل ہے وہ ہی حیثیت مسلمان بھائی کو بھی ہے تو جس طرح آپ اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کا بھی آپ اہتمام کریں اور اس پر عیب لگا کر گویا اپنے آپ پر عیب نہ لگائیں۔

٣٣٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو جَبِيرَةَ بْنُ الضَّحَّاكِ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: فِينَا نَزَلَتْ، فِي بَنِي سَلِمَةَ: ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ [الحجرات: ١١]، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ مِنَّا رَجُلٌ إِلَّا لَهُ اسْمَانِ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "يَا فُلَانُ"، فَيَقُولُونَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ يَغْضَبُ مِنْهُ.

ترجمہ وتشریح: حضرت ابو جبیرہ ابن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ﴿وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ﴾ برے ناموں سے آپس میں ایک دوسرے کو مت پکارو، ہمارے یعنی انصار کے قبیلے بنو سلمہ ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی، فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ہمارے یہاں ہر آدمی کے دو نام تھے (یعنی ایک تو اس کا جو اصلی نام ہے وہ اور دوسرا لوگوں نے اس کو چڑانے کے لیے یعنی اس پر عیب لگانے کے لیے اور اسے بدنام کرنے کے لیے اس کا کوئی نام رکھ دیا۔ وہ تو اب ہر ایک کے اس طرح دو دو تین تین نام ہوتے تھے، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ دوسرا نام جو اس کے

لیے استعمال کیا جاتا ہے وہ اس کو پسند نہیں ہے، یہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے) کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اسی نام سے جو اس کو ناپسند ہوا کرتا تھا پکار لیا کرتے تھے، تو آپ جب اس نام سے پکارتے تھے تو دوسرے حضرات حضرات صحابہ میں سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتے کہ (يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ يَغْضَبُ مِنْهُ) آپ اس نام سے اس کو پکار رہے ہیں اس کو یہ پسند نہیں ہے (تب باری تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ تم اس طرح کے نام رکھتے کیوں ہو؟ جو تم کو پسند نہ ہوں ۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی جرم ہوا اور وہ اس سے توبہ کر چکا ہے پھر بھی اس کو اسی نام سے یاد کیا جا رہا ہے، کسی نے چوری کا جرم کیا تھا، اس نے اس سے توبہ کر لی اور اب وہ اس کا بالکل ارتکاب نہیں کر رہا ہے اور وہ اس سے بچا ہوا ہے اس کے باوجود کوئی اس کو چور کہتا ہے، یا کوئی پہلے شراب پیتا تھا اب وہ تائب ہو چکا ہے اور اب بالکل اس سے باز رہتا ہے اس کے باوجود کوئی اس کو شرابی کہتا ہے تو یہ اس طرح اس پر عیب لگاتا ہے اس سے منع کیا گیا، بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ بندہ نے کسی گناہ سے توبہ کر لی اور اس کے باوجود اس گناہ کا تذکرہ کر کے اس گناہ کی عار دلائی جا رہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کو موت نہیں دیں گے جب تک کہ وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے، اس لیے اپنے آپ کو اس سے بچانے کی ضرورت ہے۔

٣٣١ - حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، عَنِ الْحَكَمِ قَالَ: سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ: لَا أَدْرِي أَيُّهُمَا جَعَلَ لِصَاحِبِهِ طَعَامًا، ابْنُ عَبَّاسٍ أَوِ ابْنُ عُمر، فَبَيْنَا الْجَارِيَةُ تَعْمَلُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ، إِذْ قَالَ أَحَدُهُمْ لَهَا: يَا زَانِيَةُ، فَقَالَ: مَهْ، إِنْ لَمْ تَحُدَّكَ فِي الدُّنْيَا تَحُدُّكَ فِي الْآخِرَةِ،

قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ كَذَاكَ؟ قَالَ: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ .
ابْنُ عَبَّاسٍ الَّذِي قَالَ: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ .

ترجمہ وتشریح: حضرت عکرمہ رحمہ اللہ (اکابر تابعین میں سے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ کس نے کھانا بنوایا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں سے کسی ایک نے کھانا بنوایا، وہاں ایک باندی خدمت انجام دے رہی تھی، تو کھانے والوں میں سے کسی ایک نے کہا: یا زانیۃ، یہ سن کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم اس طرح مت کہو تم پر اگر دنیا میں حد جاری نہیں ہوسکتی تو آخرت میں تم پر ضرور حد جاری کی جائے گی۔ اس پر اس کہنے والے نے کہا کہ اگر وہ ایسی ہی ہے تو؟ یعنی واقعتاً اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اس لیے اس کو زانیہ کہا گیا ہے تب تو آخرت میں بھی حد جاری نہیں ہوگی نا؟ اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو آدمی برائی کی بات کرتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہے اس کو بھی اللہ پسند نہیں کرتا۔

تشریح: کوئی آدمی کسی کو زانی کہے اور اس نے اگر زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے اور وہ آزاد ہے تو یہ اس پر زنا کی تہمت لگانا ہوا جس کی وجہ سے تہمت لگانے والے کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے، جس کو حد قذف کہتے ہیں۔

جس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اگر وہ غلام یا باندی ہے اور اس سے زنا کا صدور ہو چکا ہے تو اس صورت میں تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس کو تم نے زانیہ کہا اگرچہ یہ باندی ہے اور باندی ہونے کی وجہ سے یہاں دنیا میں تو تم پر وہ حد جاری نہیں کرواسکتی

یعنی اگر وہ تمہارے خلاف حاکم کے یہاں دعویٰ دائر کرے گی تب بھی تم پر حد جاری نہیں ہو سکے گی، لیکن تم اس تہمت کی وجہ سے آخرت کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔

اور اگر اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو بھی تم کو مناسب نہیں تھا کہ اس زنا والے فعل کو اس طرح تم لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے، یہ تفحش ہے یعنی گویا ایک برائی کا لوگوں کے سامنے اظہار ہے اس کو بھی اللہ پسند نہیں فرماتا۔

٣٣٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيءِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن طعن وتشنیع کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ مومن کسی پر لعنت بھیجنے والا ہوتا ہے اور نہ مومن بے حیائی کی بات کرنے والا اور نہ منھ پھٹ ہوا کرتا ہے۔

تشریح: مومن کسی پر طعن کرے یہ مومن کی شان نہیں ہے جس کو انگریزی میں taunt کرنا کہتے ہیں، یہ چیزیں سامنے والے کو تکلیف اور ایذاء پہنچاتی ہیں اور یہ حرام ہے، اسی طرح کسی کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری کی بد دعا کرے مثلاً یوں کہے کہ تجھ پر اللہ کی لعنت ہو یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہو، ایسی ہی بے شرمی اور بے حیائی کی باتیں لوگوں کے سامنے کرنا یہ بھی مومن کی شان نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک صاحب ایمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس طرح کی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے اور دور رکھنے کا اہتمام کرے گویا ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّمَادُحِ

۳۳۳ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ رضى الله تعالى عنه، أَنَّ رَجُلًا ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَثْنَى عَلَيْهِ رَجُلٌ خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ، يَقُولُهُ مِرَارًا، إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ: أَحْسَبُ كَذَا وَكَذَا - إِنْ كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ - وَحَسِيبُهُ اللهُ، وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللهِ أَحَدًا''.

کسی کی تعریف کرنے کے سلسلے میں

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں آپ کے سامنے ایک آدمی کا تذکرہ ہوا تو ایک دوسرے آدمی نے اس کی بہت زیادہ تعریف کی، تو اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر کہ تم نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی، یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی مرتبہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی تم میں سے کسی کی تعریف کرنا ہی چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ انداز اختیار کرے یا یوں کہے کہ میں فلاں آدمی کو ایسا سمجھتا ہوں (یعنی میرا اس کے متعلق یہ گمان ہے) اگر واقعتاً دل میں بھی وہ ایسا ہی سمجھتا ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا حساب لینے والا ہے اور اللہ کے معاملہ میں اپنی طرف سے کسی کی براءت نہ کرے۔

تشریح: ''التَّمَادُحْ'' عام طور پر کسی کی حد سے زیادہ تعریف کرنا یا اپنی کسی غرض کو حاصل کرنے کے لیے کسی کی تعریف کرنے کو کہتے ہیں، جب کسی کی تعریف کی

جاتی ہے تو عام طور پر تعریف سننے کے بعد اس سننے والے یعنی جس کی تعریف کی جارہی ہے اس کے دل میں غرور، یا عجب اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز آدمی کی ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہت سی مرتبہ آدمی تعریف سننے کے بعد اپنے اعمال کے معاملہ میں مطمئن ہو جاتا ہے اور اسی بھروسے پر بیٹھا رہتا ہے اور آگے کچھ کرتا نہیں یہ چیز آدمی کی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے۔

بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کی تعریف کرتا ہے لیکن وہ خود اس کو اپنے دل سے ایسا نہیں سمجھتا یہ تو بالکل غلط اور جھوٹ ہے ایسا تو کرنا ہی نہیں چاہیے، لیکن اگر واقعتاً وہ خود بھی دل سے اس کو اسی طرح سمجھ رہا ہے جس طرح وہ بول رہا ہے تو اس صورت میں یوں کہے کہ میں فلاں آدمی کو ایسا سمجھتا ہوں، باقی اندر کا حال تو اللہ ہی بہتر جانے، اللہ ہی اس کے لیے کافی اور اس کا حساب لینے والا ہے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے میں دخل اندازی ہے

ہم کسی کے بارے میں قطعی طور پر یوں کہیں کہ اس کی اللہ نے مغفرت ہی کر دی، وہ تو جنتی ہے، وہ یوں ہے، اس کے تو درجے بلند ہوں گے یہ تو اللہ کے معاملہ میں اور اللہ کے فیصلے میں ہم نے دخل اندازی کی، یہ انداز بالکل غلط ہے، ارے بھائی! جنت میں جانے کا فیصلہ میرے اور آپ کے ہاتھ میں ہے؟ جنتی ہونے کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کریں گے، اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں، یعنی جن چیزوں کا فیصلہ اللہ کرنے والا ہے اس کے متعلق، اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہ کہے، ہاں ہم دعا تو کر سکتے ہیں مگر اپنی طرف سے کوئی قطعی فیصلہ کرنا گویا اللہ کے مقابلے میں اپنی طرف

سے فیصلہ کرنے کی جرأت ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

٣٣٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنِي بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَهْلَكْتُمْ، أَوْ قال قَطَعْتُمْ، ظَهْرَ الرَّجُلِ".

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ دوسرے کی تعریف کررہا ہے اور تعریف میں مبالغہ کررہا ہے۔

(یعنی اس نے اس کی تعریف میں زمین اور آسمان کے قلابے ملادئے) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو ہلاک کردیا، یا تم نے اس کی پیٹھ ماردی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمہاری تعریف کے نتیجہ میں اگر وہ شخص غرور میں یا خود پسندی میں مبتلا ہوگیا یا اپنے انہی اعمال پر مطمئن ہوکر بیٹھ گیا تو یہ چیز اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گی اور تم اس طرح بول کر اس کی ہلاکت کا ذریعہ بنے۔

٣٣٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ، فَأَثْنَى رَجُلٌ عَلَى رَجُلٍ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ: عَقَرْتَ الرَّجُلَ، عَقَرَكَ اللهُ.

ترجمہ: حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس مجلس میں ایک آدمی نے دوسرے کی اس کے سامنے تعریف کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارے تم نے تو اپنے بھائی کو ہلاک کردیا (یعنی تمہاری تعریف نے گویا اس کا بیڑا غرق کردیا، تمہاری اس تعریف کے نتیجہ میں وہ عجب، خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہوجائے گا اور اپنے اعمال پر مطمئن ہوکر بیٹھ جائے گا۔ گویا یہی تمہاری

تعریف اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گی اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض تمہیں بھی ہلاک کرے)۔

٣٣٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ: "الْمَدْحُ ذَبْحٌ"، قَالَ مُحَمَّدٌ: يَعْنِي إِذَا قَبِلَهَا.

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد اسلم سے (یہ اسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے) سنا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کی تعریف کرنا گویا اس کو ذبح کرنا ہے (یعنی اس کو ہلاک کرنا ہے۔ عام طور پر تعریف کے نتیجہ میں جس کی تعریف کی جارہی ہے وہ اس کی وجہ سے کبر اور غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے یا دھوکہ میں آجاتا ہے اس لیے اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہلاکت سے تعبیر کیا) محمد رحمہ اللہ نے کہا (محمد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے) کہ جس کی تعریف کی جارہی ہے اس کے حق میں یہ موت کب ہے جبکہ وہ سننے والا اپنے حق میں قبول کرلے (یعنی خود بھی اپنے آپ کو ایسا سمجھنے لگے، اگر وہ اپنے آپ کو ایسا نہیں سمجھتا تو ان شاء اللہ اس کو کوئی نقصان نہیں ہوگا)۔

بَابُ مَنْ أَثْنَى عَلَى صَاحِبِهِ إِنْ كَانَ آمِنًا بِهِ

٣٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنهم، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو بَكْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ عُمَرُ، نِعْمَ الرَّجُلُ أَبُو عُبَيْدَةَ، نِعْمَ الرَّجُلُ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ،

نِعْمَ الرَّجُلُ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ"، قَالَ:"وَبِئْسَ الرَّجُلُ فُلَانٌ، وَبِئْسَ الرَّجُلُ فُلَانٌ" حَتَّى عَدَّ سَبْعَةً .

کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ اس کے فتنے میں پڑنے کا ڈر نہ ہو

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر بہت اچھے آدمی ہیں، عمر بہت اچھے آدمی ہیں، ابوعبیدہ بہت اچھے آدمی ہیں، اسید بن حضیر بہت اچھے آدمی ہیں، ثابت بن قیس بن شماس بہت اچھے آدمی ہیں، معاذ بن عمرو بن الجموح بہت اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل بہت اچھے آدمی ہیں، اور فلاں شخص بہت برا آدمی ہے اور فلاں شخص بہت برا آدمی ہے اس طرح کل سات آدمی گنوائے (صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ اس طرح کی کوئی بات نبیٔ کریم ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے تو نام کا تعین نہیں کرتے تھے)۔

تشریح: کسی کے سامنے تعریف کرنے سے تو منع کیا ہے، یہاں باب قائم کر کے امام بخاری رحمہ اللہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ آدمی بہت سنجیدہ، صاحب بصیرت، اپنی حالت سے باخبر، بلا وجہ غرور، کبر اور خود پسندی میں مبتلا ہونے والا نہیں ہے، دنیا جب اس کی تعریف کرتی ہے تو وہ اپنا محاسبہ اور جائزہ لیتا رہتا ہے کہ بھائی میں کہاں ہوں، کس پانی میں ہوں، ایسے آدمی کے سامنے اس کی تعریف کر سکتے ہیں بشرطیکہ واقعتاً اس میں یہ خوبی ہو۔ یہ نہیں کہ اس میں بھی بناوٹ کی اجازت دی جا رہی ہے۔

عیاض قدر خود بشناس!

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ وہ اس تعریف کرنے کی وجہ سے خود پسندی میں مبتلا ہونے والے نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے متعلق ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اپنی زبان کو مڑور رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ اسی نے مجھ کو ہلاکتوں میں ڈالا اور تمنا کرتے تھے کہ کاش میں کسی درخت کی ٹہنی یا کوئی پتا ہوتا جسے کوئی جانور کھا جاتا تاکہ میرا کوئی حساب نہ ہوتا، یہ انسان ہیں جو دوبارہ پیدا کئے جائیں گے اور انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے مگر یہ چیز ان کو غرور میں مبتلا کرنے والی نہیں تھی، ظاہر ہے جو آدمی اپنے متعلق غرور اور کبر میں مبتلا ہو بھلا وہ ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قرآن کے فیصلے کو ترجیح دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تہمت کا واقعہ پیش آیا تھا، اس بہتان لگانے میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا اس میں زیادہ تر تو منافقین تھے، بعض مخلص مومنین بھی ان منافقین کی باتوں میں آ کر اس آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، ان میں سے ایک حضرت مسطح ابن اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کی ماں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں، حضرت مسطح رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ کے رشتہ دار تھے اور غریب بھی تھے اس لیے ان کا سارا خرچ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھاتے تھے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر تہمت لگی اور پھر ان کی برأت کے سلسلے میں قرآن میں آیتیں نازل ہوگئیں اور یہ بات صاف ہوگئی کہ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا تھا وہ غلط تھے، اور بہتان تراش تھے اور ان تہمت لگانے والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کے وہ بھانجے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اتفاق سے شامل ہوگئے تھے تو اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس فیصلے کا اعلان کیا کہ میں اب سے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اور بعض اہل دل نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے خرچ اس لیے بند نہیں کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بیٹی ہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں اور ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا اسی لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا۔ جب انہوں نے یہ اعلان کیا تو قرآن میں آیت نازل ہوئی ﴿وَ لَا يَاتَلِ اُولُوا الفَضلِ مِنكُم وَ السَّعَةِ اَن يُّؤتُوا اُولِى القُربٰى وَ المَسٰكِينَ وَ المُهٰجِرِينَ فِى سَبِيلِ اللّٰهِ وَ لِيَعفُوا وَ لِيَصفَحُوا اَلَا تُحِبُّونَ اَن يَّغفِرَ اللّٰهُ لَكُم وَ اللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ تم میں جو لوگ فضیلت والے ہیں اور مالی گنجائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ خرچ نہیں کریں گے اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں پر بلکہ ان کو چاہیے کہ وہ ان سے درگذر کریں اور ان کو معاف کریں، کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہارے گناہوں کو معاف کریں؟ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ میں تینوں صفتیں تھیں، وہ رشتہ دار بھی تھے، مہاجر بھی تھے اور مسکین بھی تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی تو اسی وقت فرمانے لگے: بَلَیٰ وَاللّٰهِ اِنِّی لَاُحِبُّ اَنْ یَّغْفِرَاللّٰهُ لِیْ کیوں نہیں! میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ میرے گناہوں کو معاف کرے، وہیں انہوں نے اعلان کیا کہ نہیں، اب میں ان کا خرچہ دوں گا بلکہ دوگنا دوں گا اور آئندہ کبھی بند نہیں کروں گا۔ دیکھو قرآن میں باری تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فرما رہے ہیں جو تم میں فضیلت والے ہیں، اللہ جن کو اولوا الفضل کہے ان کا مقام کتنا بلند ہو سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اپنی حیثیت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ عمر بڑے بہترین آدمی ہیں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرما رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیّاً لَکَانَ عُمَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتے تو وہ عمر ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس گلی میں عمر جاتے ہیں اگر اس گلی میں شیطان آرہا ہوتا ہے تو وہ بھی اپنا راستہ بدل دیتا ہے لیکن ان ساری باتوں کو سننے کے باوجود کبھی بھی ان میں غرور پیدا نہیں ہوا، خود پسندی نہیں آئی، بلکہ وہ تو اتنے ڈرتے تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو پوچھتے تھے کہ حذیفہ بتلاؤ کہیں عمر کا نام تو منافقین کی فہرست میں نہیں ہے۔

رئیس المنافقین عبد اللہ ابن ابی کا جب انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو مخلص مومن تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے باپ کا انتقال ہو گیا آپ اس کی جنازہ کی نماز

پڑھائیے اور اپنا کرتہ عنایت فرمائیے تا کہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں، آپ ﷺ نے دونوں باتیں مان لیں اور جب نماز پڑھانے کے لیے حضور ﷺ آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا دامن پکڑ لیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں؟ اس نے فلاں موقع پر یوں کیا، فلاں موقع پر یوں کیا، اس کے جو کارنامے اور حضور کے خلاف جو اس کی حرکتیں تھیں وہ گنوائیں، حضور ﷺ سب سنتے رہے اور مسکراتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ﴿اِستَغفِر لَهُم اَو لَا تَستَغفِر لَهُم اِن تَستَغفِر لَهُم سَبعِينَ مَرَّةً فَلَن يَّغفِرَ اللّٰهُ لَهُم﴾ کہ آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی دعاء مغفرت کریں گے تو بھی اللہ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستر سے زیادہ مرتبہ دعائے مغفرت کرنے سے اس کی مغفرت ہوگی تو میں وہ بھی کرتا۔

بہرحال آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی لیکن روایتوں میں ہے کہ آپ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ قرآن کی دوسری آیت نازل ہوئی ﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنهُم مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُم عَلٰى قَبرِهِ﴾ منافقین میں سے اگر کسی کا انتقال ہو جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ بھی مت پڑھو اور اس کی قبر پر بھی نہ جاؤ۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کسی بھی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منافقین کے ناموں سے آگاہ کیا تھا اور پوری تفصیل اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بتلا دی تھی، وہ تفصیل حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ

رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک حیات تھے اور کسی منافق کا انتقال ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کی نماز کے لیے نہ جاتے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب کسی کا انتقال ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے کہ دیکھو! حذیفہ اس جنازہ میں شریک ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو گویا یہ اس بات کی علامت ہوتی تھی کہ وہ مومن ہے، منافق نہیں، اس وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ حذیفہ بتاؤ تو سہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقین کے جو نام تم کو دئے ہیں اس میں کہیں عمر کا تو نام نہیں؟ یہ وہ حضرات تھے کہ اتنی ساری بشارتیں سننے کے باوجود انہیں اپنے متعلق کوئی غرور، خود پسندی، خوش فہمی کچھ نہیں بلکہ وہ ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔

اور ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی جھوٹ موٹ بھی آ کر کوئی یوں کہہ دے کہ میں نے رات کو خواب میں آپ کو جنت میں تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تھا تو بار بار اس سے پوچھے گا کہ کیا دیکھا؟ اور اس کو کہے گا کہ جو تم نے میرے متعلق بشارت دیکھی وہ دوسروں کو بھی سناؤ اور اپنے متعلق بہت ہی اطمینان کا اظہار کرے گا۔ بقول حضرت شاہ محمد معصوم صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ (یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے ہیں جو حضرت کے جانشین بنائے گئے تھے) اگر خواب میں کسی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا گیا تو اس سے کیا وہ بادشاہ بن گیا؟ لوگ اچھے اچھے خواب بیان کرتے ہیں تو میں ان کو کہتا ہوں کہ بھائی! بیداری کی بات کرو، بیداری میں ہمارا حال کیا ہے؟ خواب اچھے سے اچھا دیکھ لیا ٹھیک ہے بشارت اس کو کہا گیا ہے، لیکن اگر ہمارا بیداری کا حال اس کے موافق نہیں ہے تو اس خواب سے خوش ہونے سے کیا حاصل ہوگا؟ ضرورت اس کی ہے کہ اپنی بیداری کی حالت کا جائزہ لیا جائے۔

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ بہترین آدمی ہیں۔آپ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال سے پہلے لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ آپ اپنے بعد کسی کو نائب مقرر کر دیجئے تو اس وقت انہوں نے یہ جملہ کہا کہ اگر ابوعبیدہ ہوتے تو میں آج ان کو اپنی جگہ پر مقرر کرتا،لیکن ان کا تو انتقال ہو چکا تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ثقیفۂ بنوساعدہ میں جن دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑا تھا ان میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے،آپ نے فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت ہو جاؤ۔

حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کا مقام

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ثابت ابن قیس بہترین آدمی ہیں۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطیب تھے، چہرہ مہرہ زیادہ حسین نہیں تھا،لیکن بڑے فصیح وبلیغ تھے، انصار میں سے تھے،جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَرفَعُوا اَصوَاتَکُم فَوقَ صَوتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجھَرُوا لَه بِالقَولِ کَجَھرِ بَعضِکُم لِبَعضٍ اَن تَحبَطَ اَعمَالُکُم وَ اَنتُم لَا تَشعُرُونَ ﴾ اے ایمان والو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں،آپ کی آواز

ذرا بلند تھی، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد گھر میں بیٹھ گئے اور روتے ہی رہے کہ میرے تو اعمال ضائع ہو گئے، چند دن نظر نہ آئے تو حضور ﷺ نے پوچھا ثابت نظر نہیں آتے کہاں ہیں؟ کسی نے ان کے پاس جا کر معلوم کیا تو وہ کہنے لگے کہ میرے تو اعمال ضائع ہو گئے یعنی قرآن میں نازل ہونے والی اس آیت کا انہوں نے حوالہ دیا، اس آدمی نے آکر حضور ﷺ کو بتلایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ ان کو جنت کی بشارت سنادو کہ تم تو جنتی ہو گئے اب کیوں گھبراتے ہو؟

اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ وہ حضرات تھے جن کی نبی کریم ﷺ نے اس لیے تعریف فرمائی کہ آپ کو اطمینان تھا کہ اس طرح کے کلمات کہنے سے وہ کسی خود پسندی میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔

۳۳۸ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها قَالَتِ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ''، فَلَمَّا دَخَلَ هَشَّ لَهُ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلُ اسْتَأْذَنَ آخَرُ، قَالَ: ''نِعْمَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ''، فَلَمَّا دَخَلَ لَمْ يَنْبَسِطْ إِلَيْهِ كَمَا انْبَسَطَ إِلَى الْآخَرِ، وَلَمْ يَهِشَّ إِلَيْهِ كَمَا هَشَّ لِلْآخَرِ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قُلْتَ لِفُلَانٍ مَا قُلْتَ ثُمَّ هَشَشْتَ إِلَيْهِ، وَقُلْتَ لِفُلَانٍ مَا قُلْتَ وَلَمْ أَرَكَ صَنَعْتَ مِثْلَهُ؟ قَالَ: ''يَا عَائِشَةُ، إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنِ اتُّقِيَ لِفُحْشِهِ''.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے

آپ کے پاس حاضری کی اجازت چاہی اس کی آواز سن کر آپ پہچان گئے اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، آپ نے آنے کی اجازت دی، جب وہ آپ کے پاس آئے تو نبیٔ کریم ﷺ بہت ہشاش بشاش اور خندہ پیشانی سے ان سے پیش آئے اور جب وہ چلے گئے تو دوسرے آدمی نے اجازت مانگی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنے قبیلے کا بڑا اچھا آدمی ہے، وہ جب آپ کے پاس آئے تو ان کے سامنے حضور اتنی خندہ پیشانی اور بشاشت سے پیش نہیں آئے جو اس سے پہلے آدمی کے ساتھ پیش آئے تھے (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کے ساتھ محبت اور تعلق ہو، یا وہ اپنی جگہ پر اچھا آدمی ہو تو اس کے ساتھ اسی طرح بہترین معاملہ کیا جائے، وہ تو آدمی کے مزاج پر ہوتا ہے کبھی آدمی کے مزاج میں کبیدگی ہوتی ہے کوئی ایسے موقع پر آگیا تو اچھا آدمی ہے تو بھی جیسا اس کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے نہیں کر پاتا) جب وہ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (نے دونوں باتیں سنیں بھی اور دونوں معاملے اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی کیوں کہ اس روایت کی نقل کرنے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود ہیں) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے فلاں کے متعلق یہ جملہ کہا کہ بڑا برا آدمی ہے اور جب آپ کے پاس وہ آدمی آیا تو آپ اس کے ساتھ بڑے خندہ پیشانی اور ہشاش بشاش طریقے سے پیش آئے اور دوسرے آدمی کے متعلق آپ نے یوں فرمایا کہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ اس کے لیے آپ نے یہ جملہ کہا اور اس کے باوجود اس کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا؟ اس خندہ پیشانی سے اور اتنے بہترین انداز سے جو پہلے شخص کے ساتھ پیش آئے تھے آپ ان کے ساتھ پیش نہیں آئے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی برائی سے بچنے کے لیے آدمی کوئی تدبیر کرے۔

تشریح: جس شخص کے ساتھ نبیٔ کریم ﷺ بہت ہشاش بشاش اور خندہ پیشانی سے پیش آئے تھے روایتوں میں ہے کہ ان کا نام عیینہ ابن حصن فزاری ہے جنہوں نے

ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا لیکن دل سے وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب ارتداد پھیلا اس وقت اسلام سے ہٹ بھی گئے تھے، اس کے بعد اللہ نے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور پھر وہ مخلص بھی بنے۔

پہلا آدمی جو تھا اس کی طرف سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا تو اس کی برائی سے بچنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کا معاملہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آدمی اپنی جگہ پر اچھا ہے، کبھی کسی کے شر سے یا کسی کی طرف سے پہنچنے والے نقصان سے بچنے کے لیے بھی خندہ پیشانی سے ملا جاتا ہے۔

بَابُ يُحْثَى فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ

٣٣٩ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ يُثْنِي عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الْأُمَرَاءِ، فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ يَحْثِي فِي وَجْهِهِ التُّرَابَ، وَقَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ.

کسی کے منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالی جائے

ترجمہ: حضرت مجاہد حضرت ابو معمر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی حاکموں میں سے کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو کر اس کی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں وہ اس کے منہ پر مٹی چھڑکنے لگے اور فرمایا کہ ہم کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ جو

کسی کے منہ پر تعریف کرنے والے ہیں ان کے منہ پر مٹی ڈالی جائے۔

تشریح: منہ پر مٹی ڈالنے کا ایک مطلب تو وہی ہے جو راوی نے لیا کہ اس کے منہ پر انہوں نے مٹی ڈالی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے کہ آپ اس کی غرض پوری کریں یا آپ اس کا جیب بھریں، تو آپ اس کو ناکام کر دیجیے، جس مقصد کے لیے یہ سارے پاپڑ اس نے بیلے تھے اس میں آپنے اسے ناکام کر دیا تو گویا آپ نے اس کے منہ پر مٹی ڈال دی، اس کو بھی آئندہ کے لیے سبق مل جائے گا۔ بعضوں نے مٹی ڈالنے کا ایک مطلب یہ بھی لیا ہے کہ تعریف کرنے والے کے سامنے ناپسندیدگی کا اظہار کرو، یعنی کوئی آپ کی تعریف کر رہا ہے تو آپ اس کی تعریف سے کراہیت کا اظہار کریں یعنی ایسا انداز اختیار کیجیے کہ تعریف کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ آپ خوش نہیں ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ تعریف کرنے والوں کے سامنے مٹی رکھو، مطلب یہ کہ جب کوئی تعریف کرے تو اپنے سامنے مٹی لے لو اور مٹی دیکھ کر یوں سوچو کہ بھائی بھلے یہ تعریف کر رہا ہے مجھے تو ایک دن مٹی میں جانا ہے، مٹی میں ملنا ہے، خاک ہونا ہے، اس کی تعریف سے کیا ہوگا۔

٣٤٠ - حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَمْدَحُ رَجُلًا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَجَعَلَ ابْنُ عُمَرَ يَحْثُو التُّرَابَ نَحْوَ فِيهِ، وَقَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ".

ترجمہ: حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ اکابرین تابعین میں سے ہیں وہ

فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں دوسرے آدمی کی تعریف کر رہا تھا حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے منہ کی طرف مٹی پھینکنے لگے اور فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے دیکھو تو اس کے منہ پر مٹی ڈالو۔

تشریح: لفظ ''مَدّاح'' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی جو زیادہ تعریف کرے، اگر کوئی کسی کے احسان اور واقعی اس کی خوبی کی وجہ سے بغیر مبالغہ کے کچھ تعریف کرے تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، یہ ممانعت ان لوگوں کے لیے ہے جن کی عادت ہی یہ ہے یعنی جنہوں نے لوگوں کی تعریف کر کے اپنے جیب بھرنے کو اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان کے لیے یہ حکم ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ کے سامنے کسی نے ان کی تعریف کی تو انہوں نے مٹی لیکر اس کے منہ پر ڈالی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے۔

٣٤١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ، عَنْ رَجَاءِ بْنِ أَبِي رَجَاءٍ، عَنْ مِحْجَنٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ رَجَاءٌ: أَقْبَلْتُ مَعَ مِحْجَنٍ ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى انْتَهَيْنَا إِلَى مَسْجِدِ أَهْلِ الْبَصْرَةِ، فَإِذَا بُرَيْدَةُ الْأَسْلَمِيُّ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ جَالِسٌ، قَالَ: وَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: سُكْبَةُ، يُطِيلُ الصَّلَاةَ، فَلَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، وَعَلَيْهِ بُرْدَةٌ، وَكَانَ بُرَيْدَةُ صَاحِبَ مُزَاحَاتٍ، فَقَالَ: يَا مِحْجَنُ أَتُصَلِّي كَمَا يُصَلِّي سُكْبَةُ؟ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ مِحْجَنٌ، وَرَجَعَ، قَالَ: قَالَ مِحْجَنٌ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِي، فَانْطَلَقْنَا نَمْشِي حَتَّى

صَعِدْنَا أُحُدًا، فَأَشْرَفَ عَلَى الْمَدِينَةِ فَقَالَ: ''وَيْلُ أُمِّهَا مِنْ قَرْيَةٍ، يَتْرُكُهَا أَهْلُهَا كَأَعْمَرَ مَا تَكُونُ، يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ، فَيَجِدُ عَلَى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِهَا مَلَكًا، فَلَا يَدْخُلُهَا'' ثُمَّ انْحَدَرَ حَتَّى إِذَا كُنَّا فِي الْمَسْجِدِ، رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّي، وَيَسْجُدُ، وَيَرْكَعُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ هَذَا؟'' فَأَخَذْتُ أُطْرِيهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَذَا فُلَانٌ، وَهَذَا. فَقَالَ ''أَمْسِكْ، لَا تُسْمِعْهُ فَتُهْلِكَهُ'' قَالَ: فَانْطَلَقَ يَمْشِي، حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ حُجَرِهِ، لَكِنَّهُ نَفَضَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ: ''إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِينِكُمْ أَيْسَرُهُ'' ثَلَاثًا.

ترجمہ و تشریح: حضرت رجاء ابن ابی رجاء رحمہ اللہ (تابعی ہیں حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، یہ حضرت محجن رضی اللہ عنہ صحابی ہیں) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا یہاں تک کہ بصرہ کی مسجد پر پہنچے تو حضرت بریدہ ابن خصیب اسلمی رضی اللہ عنہ (یہ بھی صحابی ہیں) مسجد کے ایک دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، مسجد میں جو نمازی تھے ان میں ایک شخص تھے سکبہ، بڑی لمبی نماز پڑھا کرتے تھے، جب ہم مسجد کے دروازے پر پہنچے تو حضرت محجن رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک چادر لپٹی ہوئی تھی اور حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ جو دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے مزاج اور طبیعت میں ظرافت تھی انہوں نے حضرت محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کہ تم ایسی نماز پڑھتے ہو جیسے سکبہ پڑھتے ہیں؟ حضرت محجن رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے لوٹ آئے، اس کے بعد حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اکرم

ﷺ کے ساتھ تھا، حضور ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور ہم چل رہے تھے یہاں تک کہ احد پہاڑ پر ہم چڑھے اور وہاں چڑھ کر آپ نے پورے مدینہ شہر پر ایک نگاہ دوڑائی اور فرمانے لگے کہ اس بستی کی بڑی بدقسمتی ہے جس کے رہنے والے اس کو بہت آباد ہونے کی حالت میں اس کو چھوڑ کر جائیں گے (قرب قیامت میں جب دجال کا ظہور ہوگا تو بہت سارے لوگ جو مدینہ میں رہنے والے ہوں گے اور جن کی قسمت میں وہاں کی رہائش مقدر نہیں ہوگی وہ مدینہ آباد ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے رہنے والے اس کو بہت آباد ہونے کی حالت میں چھوڑ کر جائیں گے) اور دجال جب آئے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کے ہر دروازہ پر ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے، فرشتوں کی چوکیداری اور حفاظت کی وجہ سے دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ احد پہاڑ سے نیچے تشریف لے آئے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ ہم مسجد نبوی میں پہنچے تو نبیٔ کریم ﷺ نے مسجد میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور رکوع سجدہ خوب کر رہے ہیں تو حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے متعلق مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی کی میں بہت زیادہ تعریف کرنے لگا کہ یہ ایسا ہے، یہ ایسا ہے (یعنی یہ ایسی عبادتیں کرتا ہے، رات بھر جاگتا ہے دن بھر روزے رکھتا ہے، یعنی بہت تعریفیں کیں) تو نبیٔ کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بس رک جاؤ اور ایسی تعریفیں نہ کرو کہ ان کے کان میں پہنچ جائیں اور ان کی ہلاکت کا ذریعہ بن جائیں (اس سے پہلے باب میں تعریف کرنے

والے کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم دیا تھا اس لیے کہ جس کی تعریف کی جا رہی ہے وہ اپنے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہو کر ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے اسی لیے تعریف کرنے سے روکا کیا گیا ہے) حضرت محجن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ وہاں سے چلے یہاں تک کہ جب اپنے مکانات کے صحن کے پاس پہنچے تو اپنے ہاتھ جھاڑے اور فرمایا کہ بہترین دین وہ ہے جو آسانی اور سہولت والا ہو، تین مرتبہ ارشاد فرمایا (یہ گویا اس آدمی کے عمل کی طرف اشارہ تھا کہ جو اعمال میں غلو کرتے ہوئے اتنا زیادہ اس میں آگے بڑھا ہوا ہے اس کو نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ کہیں یہ غلو اور زیادتی آگے جا کر اس کے لیے مزید اعمال میں رکاوٹ کا سبب نہ بن جائے بلکہ اعمال میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، جس کے نتیجے میں آدمی اس پر پابندی کر سکے، یہی پسندیدہ ہے اور نبیٔ کریم ﷺ نے اسی کی تاکید فرمائی۔

بَابُ مَنْ مَدَحَ فِي الشِّعْرِ

٣٤٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ رضى الله عنه، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ مَدَحْتُ اللهَ بِمَحَامِدَ وَمِدَحٍ، وَإِيَّاكَ. فَقَالَ: "أَمَا إِنَّ رَبَّكَ يُحِبُّ الْحَمْدَ"، فَجَعَلْتُ أُنْشِدُهُ، فَاسْتَأْذَنَ رَجُلٌ طُوَالٌ أَصْلَعُ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْكُتْ"، فَدَخَلَ، فَتَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَجَ، فَأَنْشَدْتُهُ، ثُمَّ جَاءَ فَسَكَّتَنِي، ثُمَّ خَرَجَ، فَعَلَ ذَلِكَ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا الَّذِي سَكَّتَنِي لَهُ؟

قَالَ:"هٰذَا رَجُلٌ لَا يُحِبُّ الْبَاطِلَ".

شعر میں کسی کی تعریف کرنے کے بارے میں

ترجمہ: حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ (صحابی ہیں یہ بنوتمیم سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی تعریف کی تھی) وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! میں نے کچھ اشعار جمع کئے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی بھی حمد وثناء اور آپ کی تعریف بھی بیان کی ہے، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو بہت پسند فرماتا ہے (یعنی جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے، حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے میری بات کے جواب میں یہ جملہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو پسند فرماتا ہے) اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں اور حضور ﷺ کی تعریف میں جو اشعار کہے تھے وہ سنانا شروع کیا، کہا کہ میں حضور ﷺ کو اشعار سنا رہا تھا اسی دوران ایک آدمی لمبے قد والے جن کے سر کے اگلے حصے یعنی پیشانی پر بال کم تھے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی (یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے) تو حضرت اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے کہا کہ خاموش ہوجاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور نبیٔ کریم ﷺ سے کچھ دیر گفتگو کی اور اس کے بعد وہ تشریف لے گئے، اسود ابن سریع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دوبارہ نبیٔ کریم ﷺ کو اشعار سنانا شروع کیا، پھر وہی شخص دوبارہ آئے پھر حضور ﷺ نے مجھے خاموش کردیا کہ ٹھہرو، پھر وہ اپنی بات کر کے چلے گئے، ایسا دو تین مرتبہ ہوا (جب بھی وہ آتے ان کے آنے سے پہلے حضور ﷺ مجھے خاموش کردیتے اور ان کے جانے کے بعد میں پھر اشعار سنانا شروع کردیتا) حضرت اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہچانتے تھے کیونکہ وہ

دوسرے قبیلے سے آئے تھے) میں نے پوچھا نبیٔ کریم ﷺ سے کہ اے اللہ کے رسول! جس آدمی کے آنے پر آپ مجھے خاموش کررہے تھے وہ کون ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ آدمی جو اس طرح کی باتوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتلاتے ہیں کہ کوئی آدمی اشعار میں کسی کی تعریف کرے تو تعریف کے سلسلے میں تو اصولی بات بتلائی جاچکی کہ اگر اس تعریف کے نتیجے میں اس آدمی کا غرور، عجب، کبر یا خود پسندی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو نہیں کرنی چاہیے اور اگر اطمینان ہو اور کوئی مصلحت کا تقاضا ہو تو کی جاسکتی ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام حضور ﷺ سے بڑھ کر تھا؟ کیونکہ حضور اشعار سن رہے تھے تو ان کے لیے کیا رکاوٹ تھی؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نبیٔ کریم ﷺ کی اپنی مصلحت تھی، آپ کی خدمت میں حضرت اسود رضی اللہ عنہ اشعار سنانے حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ کو ان کی دل جوئی کرنی تھی، چونکہ ان کے اشعار میں خلاف شریعت کوئی بات نہ تھی اس لیے آپ نے خود تو ان اشعار کو سننا گوارا کیا اور مصلحتاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر خاموش کرادیا۔

۳۴۳ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَلِيٍّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ رضى الله تعالىٰ عنه قُلْتُ: لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَدَحْتُكَ وَمَدَحْتُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ .

ترجمہ: حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اشعار میں آپ کی تعریف کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف کی ہے۔

بَابُ إِعْطَاءِ الشَّاعِرِ إِذَا خَافَ شَرَّهُ

٣٤٤ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُجَيْدِ بْنِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ الْخُزَاعِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي نُجَيْدٌ، أَنَّ شَاعِرًا جَاءَ إِلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رضى الله عنه فَأَعْطَاهُ، فَقِيلَ لَهُ: تُعْطِي شَاعِرًا؟ فَقَالَ: أُبْقِي عَلَى عِرْضِي .

شاعر کے شر کے خوف سے بچنے کے لیے اس کو کچھ دینا

ترجمہ: حضرت ابو نجید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شاعر حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں ان کے پاس آیا انہوں نے اس کو کچھ دیا تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ شاعر کو دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں اپنی عزت کی حفاظت کر رہا ہوں اس لیے کہ اگر اس کو نہیں دیا گیا تو اشعار کے اندر وہ میری برائی کرے گا۔

تشریح: شعراء کبھی کبھار اشعار میں برائی بھی کر دیا کرتے تھے تو اگر شاعر کے شر اور برائی سے بچنے کے لیے اس کو کچھ دے دیا جائے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے، جیسے آج کل (صحافی حضرات) ایسی جھوٹی خبریں ثقہ اور شریف لوگوں کے متعلق چھاپتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو کسی طرح پریشان کریں تو ان کی زبان بند کرنے کے لیے ان کو کچھ دے دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

بَابُ لَا تُكْرِمْ صَدِيقَكَ بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ

٣٤٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ ابن سيرين قَالَ: كَانُوا يَقُولُونَ: لَا تُكْرِمْ صَدِيقَكَ

بِمَا يَشُقُّ عَلَيْهِ .

اپنے دوست کا ایسا اکرام نہ کرو جو اس پر دشوار ہو جائے

ترجمہ: حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین میں سے ہیں اور خواب کی تعبیر کے امام سمجھے جاتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ اپنے دوست کا ایسا اکرام نہ کرو کہ اس کو مشقت میں ڈال دو (یعنی تمہارے اس اکرام کی وجہ سے تمہارا دوست بیچارہ مصیبت میں پڑ جائے ایسا نہیں کرنا چاہیے)

تشریح: یہ عجیب باب قائم کیا ہے کہ اپنے دوست کا ایسا اکرام اور اس کی ایسی خدمت نہ کرو جو اس کے لیے باعث مشقت ہو، بعض لوگ غایت محبت میں جن کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے ان کا ایسا اکرام کرتے ہیں کہ وہ جس کا اکرام کیا جا رہا ہے مصیبت اور تکلیف میں پڑ جاتا ہے (اس سے اس روایت میں منع کیا گیا ہے)۔

بَابُ الزِّيَارَةِ

٣٤٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سِنَانٍ الشَّامِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا عَادَ الرَّجُلُ أَخَاهُ أَوْ زَارَهُ، قَالَ اللهُ لَهُ: طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ، وَتَبَوَّأْتَ مَنْزِلًا فِي الْجَنَّةِ".

کسی دوست کی ملاقات کے لیے جانے کی فضیلت

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات وزیارت کے لیے یا اس کی عیادت (یعنی بیمار ہے تو تیمارداری کے لیے) جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جاتا ہے کہ تو بڑا اچھا آدمی ہے، تیرا یہ چلنا بھی مجھے بڑا پسندیدہ ہے اور تو نے جنت کے اندر اپنا ٹھکانہ بنا لیا (گویا کسی مسلمان بھائی کی ملاقات محض اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی بنا پر ہو، کسی اور غرض کی وجہ سے نہ ہو، صرف انسانیت یا اسلامی رشتہ کی بناء پر اگر کوئی آدمی کسی کی ملاقات کرتا ہے تو اس کے لیے جنت میں ٹھکانہ ہے۔

٣٤٧ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ ابْنِ شَوْذَبٍ قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ دِينَارٍ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي غَالِبٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ رضی الله عنها قَالَتْ: زَارَنَا سَلْمَانُ مِنَ الْمَدَائِنِ إِلَى الشَّامِ مَاشِيًا، وَعَلَيْهِ كِسَاءٌ وَانْدَرْوَرْدُ - قَالَ: يَعْنِي سَرَاوِيلَ مُشَمَّرَةً - قَالَ ابْنُ شَوْذَبٍ: رُؤِيَ سَلْمَانُ وَعَلَيْهِ كِسَاءٌ مَطْمُومُ الرَّأْسِ سَاقِطُ الْأُذُنَيْنِ، يَعْنِي أَنَّهُ كَانَ أَرْفَشَ. فَقِيلَ لَهُ: شَوَّهْتَ نَفْسَكَ، قَالَ: إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةِ .

ترجمہ: حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا (جو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں) فرماتی ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن سے (جو عراق میں واقع ہے) شام تک پیدل چل کر ہمارے ہاں ملاقات کے لیے آئے، آپ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی اور اَنْدَ وَرْ پہنا ہوا تھا، اَنْدَ وَرْ ایسے پائجامہ کو کہتے ہیں جو نہ بہت لمبا ہو نہ چست ہو اور گھٹنے سے نیچے تک ہو (انڈرویر (underwear) کا لفظ شاید اسی سے بنا ہوگا) ابن شوذب جو روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک چادر اوڑھے ہوئے ہیں، سر کے بال صاف کئے ہوئے ہیں، ان کے کان بڑے بڑے تھے، تو لوگوں نے یہ

ہیئت اور حلیہ دیکھ کر کہا کہ آپ نے تو اپنے آپ کو بالکل بدنما اور بھدّا بنا رکھا ہے (یعنی یہ کوئی طریقہ ہے جس طرح آپ رہتے ہیں؟ ذرا اچھے لباس میں رہنا چاہیے) اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔ دنیا تو کسی بھی طرح گذر جائے گی کہاں تک آدمی دنیا کی زیب وزینت اور ٹپ ٹاپ میں پڑا رہے۔

ہر حق دار کا حق ادا کرو

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا رشتۂ اخوت یعنی بھائی چارگی کا تعلق قائم کیا تھا، دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا اس لیے وہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی خیریت معلوم کرتے رہتے تھے چنانچہ انہی کا قصہ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لیے ان کے گھر پر پہنچے وہ گھر پر تھے نہیں، ان کی بیوی ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ میلے کچیلے لباس میں ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ تمہارے بھائی ابوالدردا کو تو دنیا کے اندر کوئی رغبت ہی نہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے تو دیکھا کہ حضرت سلمان آئے ہیں تو ان کے اکرام کے طور پر باقاعدہ کھانا بنوایا، ورنہ خود تو روزے سے تھے اور گھر کا ذمہ دار آدمی روزے سے ہو تو ویسے بھی عورتیں پکایا نہیں کرتیں جو پہلے سے پکا ہوتا ہے اسی پر گذارا کر لیتی ہیں۔ جب کھانا تیار ہوا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھا، انہوں نے کہا کہ تم بھی شریک ہو جاؤ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، کہا کہ تم کھاؤ گے تو میں کھاؤں گا، چنانچہ انہیں اپنے ساتھ

بٹھایا اوران کا روزہ تڑوایا (چونکہ نفل روزہ تھا اور نفل روزہ مہمان کے لیے توڑا جا سکتا ہے، بعد میں قضاء کر لی جائے) پھر جب رات آئی تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بستر وغیرہ تیار کیا اور کہا کہ یہ تمہارا بستر ہے اور خود نماز کے لیے مصلیٰ پر جانا چاہتے تھے، انہوں نے کہا کہ تم بھی سو جاؤ، یہ کہہ کر سلا دیا، پھر کچھ دیر بعد اٹھنا چاہا تو پھر سلا دیا، جب رات کا آخری حصہ ہوا تب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خود بھی اٹھے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب اٹھو! اور اس کے بعد دونوں نے نماز پڑھی۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بھائی! دیکھو اللہ تعالیٰ کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، ہر حق دار کا حق ادا کرو۔ پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بعد میں جا کر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا (وفی روایۃ الدارقطنی ثم خرجا الی الصلوٰۃ فدنا ابی الدرداء لیخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالذی قال سلمان فتح الباری ج ٦ ص ٦٦ ۴ کتاب الصوم) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے واقعہ نقل کرنے والے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدق سلمان، سلمان نے ٹھیک کہا۔ یہاں اس روایت کو اس لیے لائے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات کے لیے بغیر کسی دنیاوی غرض کے محض اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی نیت سے مدائن سے چل کر شام پہنچے تھے۔

بَابُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ

٣٤٨ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ

خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَارَ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَطَعِمَ عِنْدَهُمْ طَعَامًا، فَلَمَّا خَرَجَ أَمَرَ بِمَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَنُضِحَ لَهُ عَلَى بِسَاطٍ، فَصَلَّى عَلَيْهِ، وَدَعَا لَهُمْ.

جولوگوں سے ملنے جائے پھران کے ہاں کچھ کھائے

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری گھرانے کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے (دوسری روایتوں میں اس کی صراحت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے گھر تشریف لے گئے تھے) ان گھر والوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کچھ کھانا تیار کر کے پیش کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نوش فرمایا، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکان کے ایک حصے کے متعلق حکم دیا کہ اس کو صاف کر دیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چٹائی پر پانی چھڑ کا گیا (اس لیے کہ وہ چٹائی پرانی تھی) پھر اس پر آپ نے نماز ادا فرمائی اور گھر والوں کے لیے دعا کی۔

تشریح: اسلامی بھائی چارگی کی بنیاد پر اگر کوئی آدمی کسی کی ملاقات کے لیے جائے تو اصل مقصد تو ان کی ملاقات ہی ہے، لیکن جہاں ملاقات کے لیے گیا وہاں انہوں نے کچھ تواضع بھی کر لی اور کھانے کے لیے کچھ پیش کیا تو اب کھانے سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ خود کھانے کے ارادہ سے گیا نہیں تھا، یہ تو ایک صحیح نیت کے ساتھ اور ایک صحیح مقصد لیکر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے کھانے کا بھی انتظام کر دیا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

٣٤٩ - (١) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عُمَرَ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ أَبِي خَلْدَةَ قَالَ: جَاءَ عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ إِلَى أَبِي الْعَالِيَةِ، وَعَلَيْهِ ثِيَابُ صُوفٍ، فَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: إِنَّمَا هَذِهِ ثِيَابُ الرُّهْبَانِ، إِنْ كَانَ الْمُسْلِمُونَ إِذَا تَزَاوَرُوا تَجَمَّلُوا .

ترجمہ: ابو امیہ عبد الکریم حضرت ابو العالیہ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے (یہاں یہ روایت اسی لیے لائے ہیں) اس وقت ان کے جسم پر اونی کپڑے تھے، تو حضرت ابو العالیہ نے کہا کہ یہ تو راہبوں والے کپڑے ہیں، مسلمانوں کا حال تو یہ ہے کہ جب کسی کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو ذرا اچھا لباس پہن کر جاتے ہیں۔

تشریح: کوئی آدمی کسی کی ملاقات کے لیے جائے تو مناسب لباس یعنی اپنی ہیئت ٹھیک ٹھاک کر کے جائے، بہت زیادہ ٹیپ ٹاپ نہیں، بس ٹھیک ٹھاک ہونا چاہیے یہ نہیں کہ پائجامہ کا ایک حصہ اوپر ہے اور ایک نیچے، ٹوپی آڑی ترچھی اور ڈاڑھی بے ڈھنگی۔ اپنا حلیہ ٹھیک بنا کر جانا چاہیے اسی کو جمال کہتے ہیں اور یہ اللہ کو پسند ہے۔ زیب وزینت اور تزئین وآرائش یعنی بناؤ سنگھار تو عورتوں کی خصوصیت ہے، مردوں کے لیے اس کو پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا۔

٣٤٩ - (٢) حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ الْعَرْزَمِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ مَوْلَى أَسْمَاءَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيَّ أَسْمَاءُ جُبَّةً مِنْ طَيَالِسَةٍ عَلَيْهَا لَبِنَةُ شِبْرٍ مِنْ دِيبَاجٍ، وَإِنَّ فَرْجَيْهَا مَكْفُوفَانِ بِهِ، فَقَالَتْ: هَذِهِ جُبَّةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَلْبَسُهَا لِلْوُفُودِ، وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں) روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے سامنے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے طیلسان (یہ ایک مخصوص سبز رنگ کا کپڑا ہوا کرتا تھا) کا بنا ہوا ایک جبہ نکالا جس کا گریبان دیباج یعنی ریشم کا بنا ہوا تھا اور اس کے دونوں کشادہ حصوں یعنی کناروں پر ریشم کی گوٹ لگی ہوئی تھی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ نبیٔ کریم ﷺ کا جبہ ہے نبیٔ کریم ﷺ جمعہ کے روز اور جب دوسرے ممالک سے وفود اور سفارت کار آتے تھے تو ان سے ملاقات کے وقت آپ ﷺ خصوصیت کے ساتھ اس کو پہنتے تھے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مخصوص ملاقات کے لیے اور کسی خاص مجلس میں حاضری کے لیے جائے تو مناسب اور اچھا لباس پہننا چاہیے، یہی اس کا ادب ہے، حضور ﷺ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے۔

٣٥٠ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا حَنْظَلَةُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَرضی الله عنه قَالَ: وَجَدَ عُمَرُ حُلَّةَ إِسْتَبْرَقٍ، فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اشْتَرِ هَذِهِ، وَالْبَسْهَا عِنْدَ الْجُمُعَةِ، أَوْ حِينَ تَقْدَمُ عَلَيْكَ الْوُفُودُ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: ''إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ''، وَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحُلَلٍ، فَأَرْسَلَ إِلَى عُمَرَ بِحُلَّةٍ، وَإِلَى أُسَامَةَ بِحُلَّةٍ، وَإِلَى عَلِيٍّ بِحُلَّةٍ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرْسَلْتَ بِهَا إِلَيَّ، لَقَدْ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِيهَا مَا قُلْتَ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''تَبِيعُهَا، أَوْ تَقْضِي بِهَا حَاجَتَكَ''.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے بازار میں ایک ریشمی جوڑا دیکھا اور اس کو لیکر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا حضور اکرم ﷺ کو دکھلا کر درخواست کی کہ اللہ کے رسول! آپ اس کو خرید لیں اور جب آپ جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جائیں، یا آپ کی خدمت میں وفود حاضری دیں اس وقت آپ اسے زیب تن فرمائیں (چونکہ ریشم کا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ریشم کو مردوں پر حرام قرار دیا تھا اس لیے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تو وہ آدمی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (مطلب یہ کہ مردوں کے لیے اس کو پہننے کی اجازت نہیں) اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ ریشمی جوڑے آئے تو نبیٔ کریم ﷺ نے ان میں سے ایک ایک ریشمی جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا (چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ریشمی جوڑے کے سلسلے میں حضور ﷺ کا ارشاد سن چکے تھے) جب یہ ریشمی جوڑا حضور ﷺ نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے یہ ریشمی جوڑا میرے پاس بھیجا؟ حالانکہ آپ کی زبان مبارک سے ریشمی جوڑے کی ممانعت میں سن چکا ہوں کہ اس کو وہی آدمی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (آپ تو یہ فرما چکے تھے اور اب آپ خود ہی یہ جوڑا میرے پاس بھیج رہے ہیں؟) تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے بھیجا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہی اسے پہنو بلکہ اس کو بیچ کر تم اپنی ضرورت پوری کرو، یا اپنے گھر کی عورتوں کو دے دو تا کہ اس کو وہ پہنیں، یا کسی اور کو دے دو تا کہ وہ اس سے اپنی کوئی ضرورت پوری کر لے۔

تشریح: بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اخیافی یعنی ماں شریک بھائی تھا جو ابھی کافر تھا، اسلام نہیں لا یا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جوڑا اس کو ہدیہ میں بھیج دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ میں دی گئی چیز دوسرے کو

دی جا سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر ہدیہ میں کوئی چیز آئی ہو جس کو ہمیں شریعت نے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، بیوی کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے تو اپنی بیوی کو دیدو یا اسے بیچ کر اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدیہ میں آئی ہوئی چیز بیچی بھی جا سکتی ہے، بعض لوگ ہدیہ میں کوئی چیز کسی کو دیتے ہیں اور وہ آدمی اس چیز کو آگے کسی دوسرے کو دے دیتا ہے یا بیچ دیتا ہے تو ہدیہ دینے والا ناگواری کا اظہار کرتا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ دیکھئے یہاں ہدیہ دینے والے حضور ﷺ ہیں اس کے باوجود آپ اجازت دے رہے ہیں کہ اس کو بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرو یا کسی اور کو ہدیہ دے دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے کی انگوٹھی مرد کے لیے کسی بھی حال میں حلال نہیں چاہے سسرال کی طرف سے ہدیہ میں ملی ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو جوڑا بھیجا تھا اس کے بارے روایتوں میں آتا ہے کہ وہ اسے باقاعدہ پہن کر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ کی جب نگاہ پڑی تو آپ نے نگاہیں پھیر لیں اور ناراضگی کا اظہار فرمایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فوراً میں واپس لوٹا اور اس کو عورتوں میں تقسیم کر دیا، آپ نے فرمایا کہ یہ تو ریشم کا ہے تمہیں نہیں پہننا چاہیے۔

دیکھو خالص ریشم پہننا تو ممنوع ہے، البتہ اگر کسی کرتہ وغیرہ کے اوپر ریشم کی یا زری کی کشیدہ کاری کی گئی ہے جیسے کی جاتی ہے وہ اگر چار انگل جتنی ہو تو اس کی اجازت ہے۔

اوپر جو جبہ یا اس میں ریشم کی کشیدہ کاری کا تذکرہ ہے اس سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اوپر تو ریشم کی اجازت ہے اور یہاں منع کیا گیا ہے (بلکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے)۔

بَابُ فَضْلِ الزِّيَارَةِ

٣٥١ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "زَارَ رَجُلٌ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ، فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ مَلَكًا عَلَى مَدْرَجَتِهِ، فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أَخًا لِي فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ، فَقَالَ: هَلْ لَهُ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لَا، إِنِّي أُحِبُّهُ فِي اللهِ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكَ، أَنَّ اللهَ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ".

اپنے مسلمان بھائی کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے ایک بستی میں گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیا جس راستے سے وہ اس بستی میں جارہا تھا، وہ فرشتہ انسانی شکل میں تھا اس نے اس شخص سے جو ملاقات کے لیے جارہا تھا سوال کیا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا کہ میرا ایک دینی بھائی اس بستی میں رہتا ہے میں اس کی ملاقات اور زیارت کے لیے جارہا ہوں، اس فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس کا کوئی احسان تم پر تھا جس کا تم بدلہ چکانے کے لیے جارہے ہو یا تمہاری کوئی اور غرض ہے؟ اس نے کہا کہ کوئی احسان نہیں اور نہ ہی کوئی دوسری غرض ہے بس مجھے اس کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت ہے اور اسی محبت کی بنیاد پر میں اس کی ملاقات کے لیے جارہا ہوں اس پر اس فرشتے نے کہا کہ دیکھو! مجھے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر بھیجا ہے اور اللہ نے تیرے لیے یہ کہلوایا ہے کہ جس طرح تو نے اس کے ساتھ اللہ کے واسطے محبت کی ہے اللہ تعالیٰ تجھ سے بھی محبت رکھتے ہیں (اللہ کی نسبت پر جو تعلق رکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں

اس کی بڑی قدر و قیمت ہے)۔

تشریح: اپنے بھائیوں اور جن کے ساتھ اللہ کی نسبت پر تعلق ہے ان کی زیارت اور ملاقات کے لیے جانے کی فضیلت اس باب میں بیان کی جارہی ہے، اللہ کی نسبت پر جو تعلق قائم کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے اور محض اس تعلق کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ ان تعلق رکھنے والوں کو بڑے بڑے درجات سے نوازتے ہیں، ان کی مغفرت فرماتے ہیں، اپنے عرش کے سائے کے نیچے ان کو جگہ عطا فرماتے ہیں، چنانچہ اس اللہ کی نسبت پر قائم کئے گئے تعلق کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے، زیارت کے لیے اور اس کی خبر پرسی کے لیے جائے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر و قیمت ہے۔

بَابُ الرَّجُلِ يُحِبُّ قَوْمًا وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ

۳۵۲ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَلْحَقَ بِعَمَلِهِمْ؟ قَالَ: "أَنْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ"، قُلْتُ: إِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، قَالَ: "أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ يَا أَبَا ذَرٍّ".

ایسے (نیک) حضرات سے محبت کا فائدہ جن کے مرتبے کو ابھی تک نہ پہنچا ہو

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرتبہ

دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک آدمی جو ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے (یعنی اہل اللہ، اہل علم اور نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہے) لیکن وہ عمل کے جس مقام پر ہیں اس مقام پر یہ عملی اعتبار سے ابھی تک پہنچا نہیں ہے (یعنی اس میں کمی ہے، عملی اعتبار سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا کہ وہ لوگ جن کے ساتھ وہ محبت رکھتا ہے۔ عام طور پر ہمیں اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کے نیک بندے اپنے اعمال کے اعتبار سے جس مقام پر ہوتے ہیں ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اس مقام پر نہیں پہنچ پاتے، ایسے موقع پر کیا ہوگا؟) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! تم جس سے محبت رکھو گے تمہارا شمار بھی اسی کے ساتھ ہوگا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! تم جس سے محبت رکھتے ہو اسی کے ساتھ رہو گے۔

تشریح: بہت سی مرتبہ آدمی اللہ والوں سے، نیک لوگوں سے اور جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے ان سے محبت رکھتا ہے لیکن خود اپنے عمل کے اعتبار سے اس مقام تک نہیں پہنچ سکا، خود تو عملی کمزوری میں مبتلا ہے لیکن اس کو ان لوگوں کے ساتھ محبت ہے تو اللہ تعالیٰ اس محبت کے بدلے میں اس کو بھی بلند مقام سے نوازے گا۔

۳۵۳ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ، مَتَى السَّاعَةُ؟ فَقَالَ: "وَمَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟" قَالَ: مَا أَعْدَدْتُ مِنْ كَبِيرٍ، إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ: "الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ" قَالَ أَنَسٌ: فَمَا رَأَيْتُ الْمُسْلِمِينَ فَرِحُوا بَعْدَ الْإِسْلَامِ أَشَدَّ مِمَّا فَرِحُوا يَوْمَئِذٍ .

ترجمہ وتشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ (تو حضور اکرم ﷺ نے بجائے اس کے کہ قیامت کے آنے کے متعلق جواب دیتے، نبیٔ کریم ﷺ نے دوسرا انداز اختیار فرمایا، جب اس نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ اس طرح کا سوال خود نبیٔ کریم ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان بھی ہوا ہے، حضرت جبرئیل کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے پاس دین کی معلومات صحابہ کو بتلانے کے لیے بھیجا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو اس کے جواب میں نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کو پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، یعنی قیامت کے آنے کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) حضور ﷺ نے پوچھا کہ تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ کوئی زیادہ تیاری تو میں نے نہیں کی البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ اس کا شمار ہوتا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اس روایت کے نقل کرنے والے ہیں فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس دن نبیٔ کریم ﷺ کے اس جواب کو سن کر ہوئی (اس لیے کہ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک کو نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ محبت تھی گویا ہر ایک کے لیے یہ جواب بڑی امیدیں دلانے والا تھا۔

بَابُ فَضْلِ الْكَبِيرِ

٣٥٤ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي صَخْرٍ، عَنِ ابْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، فَلَيْسَ مِنَّا".

بڑے آدمی کی فضیلت کے بارے میں

یعنی عمر اور مرتبہ کے اعتبار سے جو بڑا ہے اس کی فضیلت کا خیال رکھنا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہ کرے اور بڑوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ نہ کرے (ان کے حق کو نہ پہچانے، ان کے ساتھ جیسا ادب اور احترام کا سلوک کرنا چاہیے، نہ کرے) وہ ہم میں سے نہیں ہے

تشریح: اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ ہر ایک کا حق ادا کیا جائے، بڑے ہیں تو ان کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ پیش آئے، چھوٹے ہیں تو ان کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرے، جو جیسا ہے اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرنا چاہیے۔

٣٥٥ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي جُرَيْجٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَامِرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، فَلَيْسَ مِنَّا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ نہیں کیا اور بڑوں کے ادب واحترام کے حق کو نہیں پہچانا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: اگر بڑے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کریں گے تو لامحالہ چھوٹے بڑوں کے ساتھ ادب کا معاملہ کریں گے، اسی طرح چھوٹے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کریں گے تو لامحالہ بڑے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کریں گے۔ معاشرہ کے نظام کو باقی رکھنے کے لیے یہ دونوں چیزیں بے حد ضروری ہیں، بڑوں اور چھوٹوں دونوں کو تاکید کی جارہی ہے کہ اس ہدایت پر پوری طرح عمل پیرا ہوں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَامِرٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

یہ حدیث بھی اوپر بیان کی ہوئی حدیث کی طرح بڑوں کے ادب اور چھوٹوں پر شفقت کے متعلق ہے۔

٣٥٦ - حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا، وَيَرْحَمْ صَغِيرَنَا".

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی نے ہمارے بڑوں کا حق نہیں پہچانا اس کے ادب واحترام کا لحاظ

نہیں کیا اور چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ جب فرما رہے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے یہ بڑی سخت وعید ہے۔

٣٥٧ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُجِلَّ كَبِيرَنَا، فَلَيْسَ مِنَّا''.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت نہیں کی اور بڑوں کا اکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

٣٥٨ - حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ زِيَادِ بْنِ مِخْرَاقٍ قَالَ: قَالَ أَبُو كِنَانَةَ، عَنِ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: إِنَّ مِنَ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ، غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ، وَلَا الْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ .

بڑے کا اکرام

ترجمہ وتشریح: ابو کنانہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سفید بالوں والے مسلمان کا ادب واحترام کرنا اور

جو قرآن کا حامل ہو (یعنی قرآن کا قاری، حافظ یا عالم ہو) بشرطیکہ قرآن کے حقوق کے معاملے میں نہ تو غلو سے کام لیتا ہو اور نہ بے التفاتی اور غفلت سے کام لیتا ہو (بلکہ اعتدال کے ساتھ ایک حافظ قرآن، عالم قرآن ہونے کی حیثیت سے جو حقوق اس پر ہیں ان کو پورے طور پر ادا کرتا ہے، اس کا اکرام اور اس کا ادب و احترام کرنا) اور انصاف کرنے والے بادشاہ کا اکرام اور ادب و احترام کرنا یہ اللہ کے ادب و احترام میں داخل ہے (یعنی اگر ان تین شخصیات کا کوئی ادب و احترام کرے گا تو گویا اس نے اللہ کے حق کو ادا کیا)۔

٣٥٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا".

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ہمارے چھوٹوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت نہیں کی اور بڑوں کا اکرام نہیں کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بَابُ يَبْدَأُ الْكَبِيرُ بِالْكَلَامِ وَالسُّؤَالِ

٣٦٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى الْأَنْصَارِ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، رضى الله عنهما أَنَّهُمَا حَدَّثَا، أَوْ حَدَّثَاهُ، أَنَّ

عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ، وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ، أَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ، فَقُتِلَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَهْلٍ، فَجَاءَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ، وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ، فَبَدَأَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ، وَكَانَ أَصْغَرَ الْقَوْمِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَبِّرِ الْكِبَرَ" - قَالَ يَحْيَى: لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْأَكْبَرُ - فَتَكَلَّمُوا فِي أَمْرِ صَاحِبِهِمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْتَحِقُّوا قَتِيلَكُمْ - أَوْ قَالَ: صَاحِبَكُمْ - بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ"، قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ، أَمْرٌ لَمْ نَرَهُ، قَالَ: "فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْهُمْ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، قَوْمٌ كُفَّارٌ. فَفَدَاهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ قَالَ سَهْلٌ: فَأَدْرَكْتُ نَاقَةً مِنْ تِلْكَ الْإِبِلِ، فَدَخَلْتُ مِرْبَدًا لَهُمْ، فَرَكَضَتْنِي بِرِجْلِهَا.

بڑا شخص بات اور سوال کی ابتداء کرے

ترجمہ: حضرت رافع ابن خدیج اور حضرت سہل ابن ابی حثمۃ رضی اللہ عنہما (یہ قصہ نقل کرنے والے دوصحابی ہیں) فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوصحابی عبد اللہ ابن سہل اور محیصہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما (یہ دونوں آپس میں چچازاد بھائی ہوتے ہیں) اپنے باغات کی خیر خبر لینے کے لیے خیبر آئے (جب خیبر پہنچے اور دونوں کے باغات قریب آئے) تو دونوں اپنے اپنے باغوں میں چلے گئے، حضرت عبد اللہ ابن سہل رضی اللہ عنہ کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور مدینہ آنے کے بعد حضرت عبد اللہ ابن سہل کے چھوٹے بھائی عبد الرحمٰن بن سہل اور ان کے دونوں چچازاد بھائی حویصہ اور محیصہ یہ تینوں حضرات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ سارا مقدمہ لیکر

حاضر ہوئے ،عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ بڑے کو بڑا بناؤ(یعنی بڑے کی بڑائی کا لحاظ کرو اور گفتگو کے لیے اپنے سے بڑی عمر والے کو آگے کرو) حضرت یحیٰ فرماتے ہیں کہ بڑے آدمی کو کلام کا والی بننا چاہیے، پھر انہوں نے اپنے ساتھی کے معاملہ میں آپ ﷺ سے گفتگو کی۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے مقتول یا اپنے ساتھی کے خون کے حق دار صرف اس وقت بنو گے جب تمہارے پچاس آدمی قسم کھا کر اس بات کی گواہی دیں کہ یہود میں سے فلاں نے تمہارے مقتول کو قتل کیا ہے۔انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ تو ایسا معاملہ ہے جو ہم نے نہیں دیکھا(تو ہمارے پچاس آدمی کیسے قسم کھا سکتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر یہود کے پچاس آدمی قسم کھا کر یہ کہیں گے کہ انہوں نے قتل نہیں کیا ہے۔اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں ان سے قسمیں نہیں لینی ، وہ تو کافر لوگ ہیں ان کی قسموں کا بھی کیا اعتبار،تو نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی طرف سے یعنی بیت المال میں سے ان کا خون بہا یعنی مرنے والے کی جان کی قیمت جو سو اونٹ کی شکل میں دی جاتی ہے وہ ادا کی۔اس روایت کے نقل کرنے والے حضرت سہل ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں کہ(جو اونٹ حضور ﷺ نے ان لوگوں کو دیت کے طور پر دیے تھے)ان میں سے ایک اونٹنی کو میں نے بھی دیکھا ہے،ایک مرتبہ میں وہ اونٹنی جس باڑے میں باندھی جاتی تھی وہاں گیا تو اس نے مجھے لات بھی ماری تھی (گویا اس قصے کے پختہ یاد ہونے کی طرف اشارہ کیا)۔

تشریح:

فتح خیبر

خیبر مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک بڑی آبادی تھی، وہاں کئی قلعے، کھجور کے باغات اور زمینیں تھیں، نبیٔ کریم ﷺ نے سن ۷ ہجری کو محرم کے مہینے میں اس شہر پر چڑھائی کی جس کے نتیجے میں سارا شہر اور سارے قلعے فتح ہو گئے اور مسلمانوں کی ملکیت میں

آ گئے، بعد میں وہاں مقیم یہودیوں کی درخواست پر ان باغات اور زمینوں کی دیکھ بھال اور حفاظت کا کام انہی کے سپرد اس شرط پر کر دیا کہ ان باغات اور زمینوں کی نگرانی کی ذمہ داری ان کی ہوگی اور اس میں جو پیداوار ہوگی وہ آدھی انہیں دی جائے گی اور آدھی مسلمان لیں گے اور جب تک مسلمان چاہیں گے یہودیوں کو وہاں رہنے دیں گے اور جب چاہیں گے وہاں سے ہٹا دیں گے۔

یہود کی شرارت

خیبر یہود کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن اس کے باوجود موقع ملنے پر وہ مسلمانوں کے ساتھ شرارت سے باز نہ آتے، ان کی شرارت کا ایک واقعہ اوپر حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ دو صحابی رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے خیبر اپنے باغات کا حال معلوم کرنے کے لیے پہنچے، دونوں کے باغات الگ الگ تھے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا باغ ایک طرف اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کا باغ دوسری طرف تھا (جیسے کسی شہر میں دو شخص اکھٹے کسی کام کے لیے جاتے ہیں، کسی کو ایک دکان پر کام ہوتا ہے اور دوسرے کو دوسری دکان پر کام ہوتا ہے تو دونوں اپنا اپنا کام کر کے پھر ایک جگہ آ کر ملتے ہیں) وہاں پہنچ کر دونوں نے آپس میں طے کرلیا کہ ہم دونوں اپنے اپنے باغ کا حال معلوم کرنے کے بعد فلاں جگہ ملیں گے۔ چنانچہ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ اپنے کام سے فارغ ہو کر مقررہ جگہ پہنچ کر اپنے ساتھی حضرت عبداللہ ابن سہل رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے لیکن کافی دیر تک وہ نہ آئے تو ان کے باغ کی طرف گئے وہاں دیکھا تو وہ خون میں لت پت مرے ہوئے ملے، اکیلا دیکھ کر کسی نے ان کو قتل کر دیا تھا،

وہاں چونکہ یہودی ہی رہتے تھے اس لیے قاتل تو وہی تھے لیکن کسی نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ نہیں دیکھا تھا اس لیے ان کے خلاف باقاعدہ گواہ اور ثبوت مہیا کر کے مقدمہ چلا کر ان کے خلاف فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔

بڑا بات کی ابتداء کرے

حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ جب واپس مدینہ منورہ آئے تو وہ مقتول کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن ابن سہل اور اپنے بھائی حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ کو لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کرنے کے لیے پہنچے اور حضور کی خدمت میں پہنچنے کے بعد معاملہ پیش کرنے کا کام حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اس لیے کہ وہ مرحوم کے حقیقی بھائی تھے اور وہ دونوں مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے، لیکن عمر میں حضرت عبدالرحمٰن ابن سہل رضی اللہ عنہ ان دونوں سے چھوٹے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمر میں جو بڑے ہیں وہ گفتگو کریں۔ بہرحال حضور کی ہدایت پر ان بڑوں نے واقعہ پیش کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کا حاصل یہ تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ہمارے بھائی کے قتل پر یہودیوں کو جوابی کاروائی کے طور پر قصاص میں قتل کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم قسم کھا کر یہ بات کہو کہ فلاں نے ہمارے بھائی کو قتل کیا ہے اس کے بعد آگے کی کاروائی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ یہ اہل ایمان ہیں انہوں نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تو قسم کھا کر بات کرنے کو کہا جائے گا تو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! یہ ایک ایسی بات ہے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی، یعنی ہم نے یہودیوں کو حضرت عبداللہ ابن

سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تو پھر ہم قسم کھا کر کیسے کہہ سکتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ وہ خود انکار کریں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان یہودیوں سے پچاس قسمیں لی جائیں گی جو قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے قتل نہیں کیا، تو ہم ان کو بری ظاہر کریں گے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا کہ وہ تو کفار ہیں (دوسری روایتوں میں ہے کہ وہ تو ہم سب کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسمیں کھالیں گے، ان کا کیا بھروسا) ان کی قسم پر ہمیں کوئی اعتبار نہیں، ہم تو ان سے قسمیں لینا بھی نہیں چاہتے۔

قسامہ کا طریقہ

شریعت اسلامی میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی جگہ میں ایک آدمی قتل کیا ہوا پایا جائے لیکن کسی نے بھی اس آدمی کو قتل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور قاتل کے متعلق معلوم نہ ہو تو اس سلسلہ میں شرعی اصول کے مطابق جس جگہ یا علاقہ میں وہ مقتول پایا گیا ہو اس علاقہ کے پچاس لوگوں کو بلایا جائے گا اور پچاس آدمی مقتول کے لواحقین اور ورثاء میں سے دعویٰ کریں گے کہ فلاں جگہ یا علاقہ میں ہمارا آدمی قتل کیا ہوا پایا گیا اور یہ لوگ اس کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ احناف کے اصول کے مطابق اس قسامت کا طریقہ یہ ہے کہ مقتول کے لواحقین کے دعویٰ کے مطابق جس علاقہ میں قتل ہوا ہے اس علاقہ کے پچاس آدمی قسمیں کھا کر یہ کہیں گے بِاللہ ما قَتَلْنَاہ وَلَا نَعْلَمُ قَاتِلاً یعنی اللہ کی قسم میں نے نہ تو اس کو قتل کیا اور نہ مجھے اس کے قاتل کا علم ہے۔ یہ قسمیں کھلانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کو معلوم ہو تو بات باہر آئے، ظاہر ہے

جھوٹی قسمیں تو کھائیں گے نہیں، بہر حال اگر وہ پچاس آدمی اس طرح قسمیں کھالیں گے تو پھر ان کے پاس سے دیت یعنی مرنے والے کا خون بہا لیا جائے گا، یعنی ان کو قتل نہیں کریں گے بلکہ ان سے خون بہا لیں گے۔

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ جب انہوں نے یہودیوں سے قسمیں لینے سے بھی انکار کیا تو اب ظاہر ہے کہ یہ صحابی جو قتل کئے گئے تھے ان کا خون یوں ہی ضائع ہو جاتا اور اسلام میں ایسے اصول مقرر کئے گئے ہیں کہ کسی کا خون ضائع نہ جائے، اگر قاتل کا علم ہے تو قصاص میں اس کو قتل کیا جائے ورنہ دیت یعنی خون بہا لینا چاہیے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المال میں سے سو اونٹوں کی دیت اسی لیے ادا کی۔

بَابُ إِذَا لَمْ يَتَكَلَّمِ الْكَبِيرُ هَلْ لِلْأَصْغَرِ أَنْ يَتَكَلَّمَ؟

٣٦١ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، لَا تَحُتُّ وَرَقَهَا"، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، وَثَمَّ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا لَمْ يَتَكَلَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هِيَ النَّخْلَةُ"، فَلَمَّا خَرَجْتُ مَعَ أَبِي قُلْتُ: يَا أَبَتِ، وَقَعَ فِي نَفْسِي النَّخْلَةُ، قَالَ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَهَا؟ لَوْ كُنْتَ قُلْتَهَا كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا، قَالَ: مَا مَنَعَنِي إِلَّا لَمْ أَرَكَ، وَلَا أَبَا بَكْرٍ تَكَلَّمْتُمَا، فَكَرِهْتُ.

جب بڑا نہ بولے تو کیا چھوٹا بول سکتا ہے؟

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سوال کیا کہ وہ کونسا درخت ہے جس کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ مسلمان کا اسکا پھل ہمیشہ میسر ہوتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرا ذہن فوراً کھجور کے درخت کی طرف گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں لیکن میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ وہاں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، اور جب اس مجلس کے ختم ہونے کے بعد ہم باہر نکلے تو میں نے ابا سے کہا کہ جس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال کیا اس وقت میرے دل میں آیا تھا کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تمہارے دل میں یہ جواب آیا تھا تو تم کو بولنے سے کس نے منع کیا؟ اگر تم یہ جواب دیتے تو میرے نزدیک یہ اتنا پسندیدہ ہوتا جتنا اتنے اتنے اونٹوں کا ملنا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ دونوں خاموش ہیں تو پھر آپ کے وہاں موجود ہوتے ہوئے میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔

تشریح: اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس مجلس میں تقریباً آٹھ دس آدمی موجود تھے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھجور کے درخت کا گوند (کھجور کے درخت میں سے چکنا اور میٹھا مادہ نکلتا ہے جس کو کھایا بھی جاتا ہے) پیش کیا گیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سوال پوچھا جو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں کی موجودگی میں گفتگو کی ابتداء اور عجلت نہیں کرنی چاہیے، ہاں، جہاں بولنے کی ضرورت ہے وہاں بڑے خاموش ہیں تو چھوٹے کچھ دیر انتظار کے بعد بڑوں کے ادب کا لحاظ کرتے ہوئے اوران کی اجازت سے بولیں تو اس کی گنجائش ہے۔

اس حدیث شریف سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان شخص کی مثال کھجور کے درخت جیسی ہے جس طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز کارآمد ہے اسی طرح مسلمان ہر طرح اپنے اردگرد کے لوگوں اور معاشرہ کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے اور اس کی ذات سے کسی کو ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

بَابُ تَسْوِيدِ الْأَكَابِرِ

٣٦٢ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ: سَمِعْتُ مُطَرِّفًا، عَنْ حَكِيمِ بْنِ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ، أَنَّ أَبَاهُ أَوْصَى عِنْدَ مَوْتِهِ بَنِيهِ فَقَالَ: اتَّقُوا اللهَ وَسَوِّدُوا أَكْبَرَكُمْ، فَإِنَّ الْقَوْمَ إِذَا سَوَّدُوا أَكْبَرَهُمْ خَلَفُوا أَبَاهُمْ، وَإِذَا سَوَّدُوا أَصْغَرَهُمْ أَزْرَى بِهِمْ ذَلِكَ فِي أَكْفَائِهِمْ . وَعَلَيْكُمْ بِالْمَالِ وَاصْطِنَاعِهِ، فَإِنَّهُ مَنْبَهَةٌ لِلْكَرِيمِ، وَيُسْتَغْنَى بِهِ عَنِ اللَّئِيمِ . وَإِيَّاكُمْ وَمَسْأَلَةَ النَّاسِ، فَإِنَّهَا مِنْ آخِرِ كَسْبِ الرَّجُلِ. وَإِذَا مُتُّ فَلَا تَنُوحُوا، فَإِنَّهُ لَمْ يُنَحْ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَإِذَا مُتُّ فَادْفِنُونِي بِأَرْضٍ لَا يَشْعُرُ بِدَفْنِي بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ، فَإِنِّي كُنْتُ أُغَافِلُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ .

بڑوں کو سیادت اور سرداری حوالے کرنا

یعنی سرداری بڑوں کے حوالے کی جائے یہ بھی بڑوں کے آداب میں سے ہے

ترجمہ: مُطرِّف حکیم ابن قیس بن عاصم سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے (یہ صحابی ہیں اور عرب میں ''بڑے سمجھ دار'' کے نام سے مشہور تھے) اپنی موت کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اپنے میں جو بڑا ہو سرداری اس کے حوالے کرنا (یعنی اپنا سردار بڑے کو بنانا) اس لیے کہ اولاد اپنے میں سے بڑے کو سیادت اور سرداری حوالے کرتی ہے تو گویا وہ اپنے باپ کی حقیقی جانشینی کا حق ادا کرتی ہے (لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ اپنے میں سے جو بڑا ہو اس کو بڑا بنائیں، گویا ایسا کریں گے تو یوں سمجھا جائے گا کہ انہوں نے حقیقتاً باپ کی جانشینی کا حق ادا کیا) اور اگر وہ اپنے میں سے چھوٹے کو سردار بنائیں گے تو یہ چیز ان کے لیے عیب ہوگی (یعنی ان کا اپنے میں سے چھوٹے کو سردار بنانا ان کے حق میں یعنی پورے خاندان کے لیے دوسروں کی نگاہوں میں عیب کا ذریعہ بنے گا) اور پھر انہوں نے یہ وصیت بھی کی کہ مال کی حفاظت کرنا اور صحیح جگہوں پر مال کو خرچ کرنا (یعنی مال کو حفاظت سے رکھنا اور نیکی کے کاموں میں اور جہاں جہاں خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ کرنا) اس لیے کہ مال شریف آدمی کی نشانی ہے اور پہچان ہے اور اسی مال کے ذریعے آدمی کمینوں سے مستغنی ہوتا ہے (یعنی کمینہ صفت کے لوگوں کے پاس جانے کی نوبت نہیں آتی، مال سے اپنی ضرورت پوری ہو جاتی ہے) پھر اپنے بیٹوں کو یہ بھی وصیت کی کہ لوگوں سے سوال مت کرنا (یعنی مانگنا مت) اس لیے کہ مانگنا اور سوال کرنا یہ آدمی کی کمائی کا آخری ذریعہ ہے (یعنی کسی طرح کی کوئی تدبیر اپنی ضرورت کو حاصل کرنے کی نہ رہے، تمام تدبیروں سے آدمی عاجز ہو جائے تو سوال کرنا آخری درجہ ہے اس لیے سوال کرنے سے بچنا) اور میرا جب انتقال ہو جائے تو میرے اوپر نوحہ مت کرنا، اس لیے کہ نبیؐ

کریم ﷺ جیسی عظیم شخصیت پر بھی نوحہ نہیں کیا گیا اور جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے ایسی جگہ پر دفن کرنا کہ قبیلۂ بنی بکر ابن وائل کے لوگوں کو میرے دفن کی جگہ یعنی میری قبر کا پتہ نہ چلے اس لیے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے اوپر میں بے خبری میں حملہ کیا کرتا تھا اس لیے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ان حملوں کے انتقام میں میری لاش کے ساتھ کوئی نامناسب سلوک نہ کریں اس لیے میری قبر کو چھپائے رکھنا اور اس کا اظہار نہ ہونے دینا۔

تشریح: نوحہ ایک مخصوص انداز سے رونے کو کہتے ہیں، پرانے لوگ جانتے ہیں کہ بعض پیشہ ور رونے والیاں ہوتی ہیں جو باقاعدہ حلقہ بنا کر اونچی آواز میں روتی ہیں، چھاتی کوٹتی ہیں اور بال بکھر دیتی ہیں۔ عرب میں نوحہ ایک خاص طریقے کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے، ہاں کسی کی موت پر قلبی غم کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اس کی ممانعت نہیں ہے، یہ جو کپڑے پھاڑے جاتے ہیں اور بال نوچے جاتے ہیں اس سے منع کیا گیا، عربوں میں مرنے والا جتنا بڑا آدمی ہوتا تھا اس کا اتنا ہی زیادہ نوحہ کیا جاتا تھا، یعنی زیادہ رویا جانا مرنے والے کے بڑے ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

بَابُ يُعْطِي الثَّمَرَةَ أَصْغَرَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْوِلْدَانِ

۳۶۳ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِالزَّهْوِ قَالَ: ''اللهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا وَمُدِّنَا، وَصَاعِنَا، بَرَكَةً مَعَ بَرَكَةٍ''، ثُمَّ نَاوَلَهُ أَصْغَرَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْوِلْدَانِ .

موسم کا پہلا پھل موجود بچوں میں سے سب سے چھوٹے بچے کو دے

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس جب موسم کا پہلا پھل لایا جاتا تھا تو اولاً تو آپ لیکر دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! تو ہمارے لیے برکت ڈال دے ہمارے شہر میں بھی اور ہمارے مد اور صاع میں بھی برکت پر برکت، یہ دعا کرنے کے بعد جو بچے وہاں موجود ہوتے تھے ان میں جو سب سے چھوٹا ہوا کرتا تھا اس کو وہ پھل آپ عنایت فرما دیتے تھے (کیونکہ موسم کا نیا پھل ہے یہ بچہ بھی گویا انسانی اعتبار سے نیا ہی ہے اس لیے سب سے چھوٹے بچے کو منتخب کیا جاتا تھا)۔

تشریح: مد اور صاع یہ پیمانے تھے جن کے ذریعے سے غلہ وغیرہ تولا جاتا تھا، ساڑھے تین کیلو کا ایک صاع ہوتا ہے اور صاع کے چوتھے حصے کو مد کہتے ہیں۔ ناپ میں برکت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ان پیمانوں کے ذریعہ سے ناپی جاتی ہے اس میں برکت ڈال دے۔

بَابُ رَحْمَةِ الصَّغِيرِ

٣٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا .

چھوٹے کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ

نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ نہ کرے اور بڑوں کے ادب واحترام کے حق کو نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

تشریح: اسلامی تعلیم یہ ہے کہ چھوٹوں کے ساتھ شفقت ہونی چاہیے اور چھوٹوں کو چاہیے کہ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ کریں۔

بَابُ مُعَانَقَةِ الصَّبِيِّ

٣٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم أَنَّهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَدُعِينَا إِلَى طَعَامٍ فَإِذَا حُسَيْنٌ يَلْعَبُ فِي الطَّرِيقِ، فَأَسْرَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَامَ الْقَوْمِ، ثُمَّ بَسَطَ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ يَمُرُّ مَرَّةً هَاهُنَا وَمَرَّةً هَا هُنَا، يُضَاحِكُهُ حَتَّى أَخَذَهُ، فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ فِي ذَقْنِهِ وَالْأُخْرَى فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ اعْتَنَقَهُ فَقَبَّلَهُ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، سِبطَانِ مِنَ الْأَسْبَاطِ .

چھوٹے بچوں کو گلے لگانا (محبت کی وجہ سے)

ترجمہ: حضرت یعلیٰ ابن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ باہر نکلے اور ہمیں ایک جگہ پر کھانے کی دعوت تھی تو حضور اکرم ﷺ نے اپنے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ (جو اس وقت چھوٹے بچے تھے) کو راستے میں کھیلتے ہوئے دیکھا تو حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب ساتھ جا رہے تھے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو

دیکھ کر نبئ کریم ﷺ ذرا تیزی کے ساتھ آگے تشریف لے گئے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ اب حضرت حسین بھاگ رہے ہیں (تو جس طرف وہ بھاگتے حضور ﷺ اس طرف ہاتھ کر دیتے تاکہ ان کو پکڑ لیں اور نہ جانے دیں) اور حضور ﷺ اس طرح ان کو ہنسا رہے ہیں یہاں تک کہ حضور نے ان کو پکڑ لیا اس کے بعد آپ نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی کے نیچے اور یک ہاتھ سر کے اوپر رکھ کر کے ان کو اپنے گلے سے لگا لیا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے، جو حسن اور حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے، حسن اور حسین نواسے ہیں۔ (سبط کہتے ہیں نواسے کو یعنی بیٹی کی اولاد کو)۔

بَابُ قُبْلَةِ الرَّجُلِ الْجَارِيَةَ الصَّغِيرَةَ

٣٦٦ - حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَخْرَمَةُ بْنُ بُكَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ رَأَى عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما يُقَبِّلُ زَيْنَبَ بِنْتَ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، وَهِيَ ابْنَةُ سَنَتَيْنِ أَوْ نَحْوَهُ.

چھوٹی بچی کو اس کے ساتھ شفقت اور پیار کی وجہ سے بوسہ دینا

ترجمہ: مخرمہ ابن بکیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت عمر ابن ابوسلمۃ کی بیٹی زینب کو جبکہ وہ کم وبیش دو سال کی بچی تھی بوسہ دیا۔

چھوٹے بچوں کی تربیت کا اہتمام

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نبئ کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے، اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور پھر ہجرت کر

کے مکہ مکرمہ سے حبشہ چلے گئے۔ حبشہ میں جتنے بھی مسلمان ہجرت کر کے پہنچے تھے ان سب کے یہی سردار تھے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سامنے باقاعدہ دعوت اسلام پیش کی اور وہ مسلمان ہوا اور ایک مدت تک وہاں رہے اس کے بعد سنہ ۷ ہجری میں ہجرت کر کے واپس مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت عبداللہ ان کے صاحب زادے ہیں، یہ بھی صحابی ہیں، صغار صحابہ میں سے ہیں اور شکل وصورت میں ان کی مشابہت نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ تھی، اپنے زمانہ کے مشہور سخیوں میں انکا شمار ہوتا تھا۔ عمر ابن ابوسلمہ ام المؤمنین حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے ہیں اور ان کے شوہر ابوسلمہ سے پیدا ہوئے، ابوسلمہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کر کے حبشہ گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب نبیٔ کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو ان کے بچے بھی ان کے ساتھ تھے تو عمر ابن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی تربیت میں رہے ہیں چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضرت عمر بن ابوسلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جبکہ میں چھوٹا بچہ تھا، میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں گھوم رہا تھا تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے بچے! جب تم کھانا کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، حضرت عمر بن ابوسلمۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرے کھانے کا وہی طریقہ رہا یعنی پھر اس میں کبھی فرق نہیں آیا۔ یہ خاص شان تھی اور انداز تھا حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا، چھوٹا ہو، بڑا ہو، مرد ہو، عورت ہو، کوئی بھی ہو ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے تنبیہ فرما دی اس کے بعد پھر دوبارہ انہیں کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

٣٦٧ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُطَّافٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا تَنْظُرَ إِلَى شَعْرِ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِكَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَهْلَكَ أَوْ صَبِيَّةً، فَافْعَلْ .

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم سے یہ ہو سکے (یعنی تم اتنا ضرور کرو) کہ اپنے گھر کی عورتوں میں سے کسی کے بالوں پر تمہاری نظر نہ پڑے سوائے اس کے کہ وہ تمہاری بیوی ہو یا چھوٹی بچی ہو۔

تشریح: گھر کی عورتوں میں بیوی اور چھوٹی بچی کے بالوں پر نظر پڑنا تو ٹھیک ہے مگر اس کے علاوہ کسی اور کے بالوں پر نظر نہیں پڑنی چاہیے، ویسے اگر محرم عورت ہے یعنی ماں یا بہن ہے تو اس کے بالوں کو دیکھنے کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطور احتیاط اس سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ مَسْحِ رَأْسِ الصَّبِيِّ

٣٦٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَّامٍ قَالَ: سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوسُفَ، وَأَقْعَدَنِي عَلَى حِجْرِهِ، وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِي .

محبت اور پیار کی وجہ سے چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرنا

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بچوں کو آپ کے پاس لایا جاتا تھا، آپ

ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور دعا دیتے تھے، یہ طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ چھوٹے بچوں کو بڑوں کے پاس پیش کیا جاتا ہے، ان کی دعائیں لیجاتی ہیں، ان سے سر پر ہاتھ پھروایا جاتا ہے، اب تو بڑے بھی سر پر ہاتھ پھرواتے ہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی خوشی

راویٔ حدیث یوسف بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں، حضرت عبداللہ مشہور صحابی ہیں، یہودیوں کے بڑے عالم تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باغ میں کھجور کے درخت کے اوپر کھجور چن رہا تھا کہ مجھے اطلاع ملی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے ہیں تو میں نے مارے خوشی کے وہیں سے نیچے چھلانگ لگا دی، میری پھوپھی وہاں تھیں انہوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آ گئے ہیں، تو اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں یہ اسی گروہ اور اسی جماعت سے ہیں جس جماعت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق تھا، پھر حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد جو پہلا کلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا اور میرے کان میں پڑا وہ یہ تھا اَیُّھاالنَاسُ اَفْشُوالسَّلامَ وَاَطْعِمُواالطَّعَامَ وَصِلُواالْاَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُواالْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ، اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز ادا کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے کا عجیب واقعہ

آپ کا اسلام لانے کا قصہ بھی عجیب ہے بخاری شریف کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ سے تین چیزوں کا سوال کرتا ہوں جس کا جواب نبی ہی دے سکتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ سوال کرو، انہوں نے پہلا سوال کیا کہ قربِ قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ جنت والوں کو سب سے پہلا کھانا کیا کھلایا جائے گا؟ اور تیسرا سوال یہ کیا کہ بچہ شکل وصورت میں کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے وہ کونسی چیز ہے جو بچے کو کبھی ماں کے مشابہ بناتی ہے اور کبھی باپ کے؟ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر مجھے اس کا جواب بتلایا (حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جبرئیل؟ وہ تو ہمارے یہودیوں کے دشمن ہیں یہودی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنا دشمن سمجھتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ دراصل وحی کا سلسلہ بنی اسرائیل میں باقی رہنا تھا تو یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی کو بنو اسماعیل میں منتقل کردیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿قُل مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبرِيلَ فَاِنَّه نَزَّلَه عَلٰى قَلبِكَ بِاِذنِ اللّٰهِ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ جو اپنے آپ کو جبرئیل کا دشمن بتلاتا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے) پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قربِ قیامت کی علامتوں میں سب سے پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو مشرق سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ہنکاہ کر مغرب کی جانب لے جائے گی۔ اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جنت والوں کو سب سے پہلا کھانا جو دیا جائے گا وہ مچھلی کا جگر گوشہ یعنی

مچھلی کے کلیجے کے ساتھ والا چھوٹا ٹکڑا ہوگا۔ ہر جانور کے کلیجہ کے ساتھ دوسرا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے، اس کو عربی میں زِیَا دَۃُ الْکَبِد اور اردو میں جگر گوشہ کہتے ہیں وہ جنتیوں کو سب سے پہلے کھانے کے لیے دیا جائے گا۔ اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شوہر جب اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتا ہے اور دونوں کا مادۂ منویہ نکل کر جب بیوی کے رحم میں یعنی بچہ دانی میں پہنچتا ہے تو اگر پہلے شوہر کا مادۂ منویہ پہنچ گیا تو بچہ شوہر کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر پہلے بیوی کی منی مادر رحم میں پہنچ گئی تو بچہ بیوی کے مشابہ ہوتا ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کلمہ پڑھ لیا اور اسلام قبول کر لیا۔

یہود کا اعتراف اور پھر انکار

اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ یہودی بڑے الزام تراش اور جھوٹے لوگ ہیں، اگر ان کو میرے مسلمان ہونے کا پتہ چل گیا تو میرے اوپر الزام لگائیں گے، ان کو میرے مسلمان ہونے کا علم ہونے سے پہلے آپ ان سے میرے متعلق پوچھ لیجیے کہ میں کیسا ہوں؟ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کو ایک کمرے میں چھپا دیا اور پھر کچھ یہودیوں کی جماعت آپ کی خدمت میں آئی، ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کمرے میں ہیں، حضور ﷺ نے ان یہودیوں سے پوچھا کہ عبداللہ ابن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہا کہ خَیْرُ نَا وَابْنُ خَیْرِ نَا وَسَیِّدُ نَا وَابْنُ سَیِّدِ نا، ہم میں سب سے بہتر اور سب سے بہتر کے بیٹے اور ہمارے سردار اور سردار کے بیٹے، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ ایمان لے آئیں تو تم ایمان لے آؤ گے؟ کہا کہ وہ اسلام قبول کر ہی

نہیں سکتے ، بار بار حضور ﷺ نے پوچھا، ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ وہ اسلام قبول کر ہی نہیں سکتے ۔ حضرت عبداللہ ابن سلام کمرے میں یہ گفتگو سن رہے تھے، وہ سمجھ گئے کہ یہ لوگ اس سے آگے نہیں بڑھیں گے تو وہ کمرے میں سے باہر نکل آئے اور زور سے کلمۂ شہادت پڑھا جس سے ان کو پتہ چل گیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں، فوراً یہود کہنے لگے شَرُّنَا، اِبْنُ شَرِّنَا، ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتر کے بیٹے، حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے یہی ڈر تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت سنائی۔

٣٦٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ، فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ، فَيَلْعَبْنَ مَعِي.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ہم عمر سہیلیوں اور لڑکیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتی تھی (یہ اس وقت ہوتا تھا جب نبیٔ کریم ﷺ گھر میں نہیں ہوتے تھے) جب حضور ﷺ تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں حضور کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھیں، حضور ﷺ ان کو بلا کر پھر میرے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ میرے ساتھ کھیلیں۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رخصت ہو کر نبیٔ کریم ﷺ کے یہاں گئیں اس وقت آپ کی عمر نُو ۹ سال کی تھی اور نو سال تک وہ حضور ﷺ کے ساتھ رہیں اس کے بعد آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا، گویا انتقال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی،

اب نو سال کی عمر میں بہر حال کھیل کا شوق تو ہوتا ہی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ جو محلہ میں سے آتی تھیں کھیلا کرتی تھی۔

آج کل کی گڑیوں کو رکھنے کی ممانعت

گڑیوں کے لیے یہاں لفظ بنات آیا ہے، اس سے آج کل کی گڑیاں جو باقاعدہ چلتی پھرتی، بولتی، کھیلتی کودتی ہیں ایسی گڑیوں کے ساتھ کھیلنے اور گھر میں رکھنے کے جواز پر اس روایت سے بعض حضرات استدلال کرتے ہیں، حالانکہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانے میں بلکہ آج بھی دیہاتوں میں جو گڑیاں ہوتی ہیں وہ ایسی نہیں ہوتیں جن کی شکل وصورت ہو، وہ تو ایک آدھ کپڑے کا ٹکڑا ہے اور لکڑی کے اوپر کپڑے کو لپیٹ کر گڑیا بنا دی جاتی ہے۔ دیہاتوں میں آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ بچیاں اسی طرح بناتی ہیں ان سے جو آج کل کی گڑیاں جو کہ شکل وصورت والی ہیں ان کے جواز پر استدلال نہ کیا جائے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جیسی عمر ہو اس کے مطابق بچوں کے ساتھ محبت کا معاملہ کیا جائے۔

بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِلصَّغِيرِ: يَا بُنَيَّ

٣٧٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ حُمَيْدِ بْنِ أَبِي غَنِيَّةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي الْعَجْلَانِ الْمُحَارِبِيِّ قَالَ: كُنْتُ فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَتُوُفِّيَ ابْنُ عَمٍّ لِي، وَأَوْصَى بِجَمَلٍ لَهُ

فِي سَبِيلِ اللهِ، فَقُلْتُ لِابْنِهِ: ادْفَعْ إِلَيَّ الْجَمَلَ، فَإِنِّي فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، فَقَالَ: اذْهَبْ بِنَا إِلَى ابْنِ عُمَرَ حَتَّى نَسْأَلَهُ، فَأَتَيْنَا ابْنَ عُمَرَ، فَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ، إِنَّ وَالِدِي تُوُفِّيَ، وَأَوْصَى بِجَمَلٍ لَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَهَذَا ابْنُ عَمِّي، وَهُوَ فِي جَيْشِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، أَفَأَدْفَعُ إِلَيْهِ الْجَمَلَ؟ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَابُنَيَّ، إِنَّ سَبِيلَ اللهِ كُلُّ عَمَلٍ صَالِحٍ، فَإِنْ كَانَ وَالِدُكَ إِنَّمَا أَوْصَى بِجَمَلِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا رَأَيْتَ قَوْمًا مُسْلِمِينَ يَغْزُونَ قَوْمًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، فَادْفَعْ إِلَيْهِمُ الْجَمَلَ، فَإِنِ هَذَا وَأَصْحَابَهُ فِي سَبِيلِ غِلْمَانِ قَوْمٍ أَيُّهُمْ يَضَعُ الطَّابَعَ.

کسی چھوٹے بچے کو اے بیٹے! کہنا

ترجمہ:ابوعجلان محاربی (قبیلہ بنومحاربہ عرب کا ایک قبیلہ ہے اس سے یہ تعلق رکھتے ہیں) کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں تھا کہ میرے ایک چچازاد بھائی کا انتقال ہوا اور اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا یہ اونٹ اللہ کے راستے میں دے دینا، میں نے اس کے بیٹے سے کہا کہ یہ اونٹ مجھے دے دو کیونکہ میں حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں ہوں۔اس نے کہا کہ چلیے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جاتے ہیں ان سے پوچھتے ہیں اگر وہ کہیں گے تو دے دوں گا (جیسے ہمارے درمیان کبھی اختلاف ہوتا ہے تو ہم مفتی صاحب کے پاس جاتے ہیں) ابوعجلان محاربی کے بھتیجے نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا اے ابوعبدالرحمٰن! (یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے) میرے ابا کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرا فلاں اونٹ اللہ کے راستے میں دے دیا جائے اور یہ میرے چچازاد بھائی ہیں وہ عبداللہ ابن الزبیر کے لشکر میں ہیں، میرے ابا نے اپنا اونٹ اللہ کے راستے میں دینے کی وصیت کی تھی کیا میں میرے چچازاد بھائی ابوعجلان کو

دے دوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر نیک کام اللہ کے راستے میں شمار ہوتا ہے (اللہ کا راستہ کسی ایک چیز کے لیے خاص نہیں ہے ہر نیک کام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جہاد میں ہو، طلب علم میں ہو، حج میں ہو، عمرہ میں ہو، تبلیغ میں ہو، درس وتدریس میں ہو نیکی کے ہر کام کو اللہ کے راستے میں ہونا کہا جائے گا) اگر تمہارے ابا نے اپنا اونٹ اللہ کے راستے میں دینے کی وصیت کی ہے تو تم دیکھو کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت کافروں کی کسی جماعت کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہے تو ان کو یہ اونٹ دے دینا، باقی یہ تیرا چچا زاد بھائی ہے نا وہ اور اس کے دوسرے ساتھی تو خاندانی جھگڑے میں ہیں (یعنی اپنی قوم کے نوجوانوں کا جھگڑا ہے) کہ ان میں سے کون حکومت کی مہار پر قبضہ کر لے (مطلب یہ ہے کہ ابن الزبیر کے لشکر کے لیے دینے کی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت نہیں دی)۔

بیٹے کا لفظ کس کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

تشریح: یہاں اس حدیث کو اسی لیے لائے ہیں کہ کسی اور کے بیٹے کو بھی ابني یعنی میرا بیٹا کہہ سکتے ہیں، دیکھو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ابو عجلان کے چچا زاد بھائی کو یابني یعنی اے میرے پیارے بیٹے! کہہ کر پکارا۔ ایک تو آدمی اپنے حقیقی بیٹے کو اے بیٹے! کہہ کر پکارتا ہے، اس کی تو اجازت ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی اور کا بیٹا ہے اور اپنے سے عمر میں چھوٹا بھی ہے کہ اس جیسا اس کا بیٹا ہو سکتا ہے تو پیار کی وجہ سے اور مانوس کرنے کے لیے اس کو بھی بیٹا کہتے ہیں، اس کی بھی اجازت ہے۔ آج کل تو اپنے سے عمر میں بڑوں کو بھی بیٹا کہتے ہیں، ہمارے ایک ملنے والے بمبئی میں رہتے ہیں اور نوجوان ہیں وہ ہر ایک کو بیٹا کہتے ہیں، میرے سامنے ایک بوڑھے کو جب بیٹا کہا تو میں نے کہا کہ یہ تو تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ ہر ایک کو بیٹا بیٹا کہنے کی عادت پڑ گئی ہے تو ذرا دیکھا تو کرو کہ کس کو بیٹا کہتے ہو؟

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مختصر حالات

حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے یزید کی موت کے بعد خلافت کا دعویٰ کیا تھا اور مکہ مکرمہ میں لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔حجاز،عراق اور شام کے کچھ لوگوں نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی،اس لیے کہ شام کا کچھ علاقہ تو وہ تھا جہاں بنو امیہ آباد تھے انہوں نے تو مروان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور مروان نے الگ خلافت کا دعویٰ کیا تھا پھر مروان نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے عبدالملک ابن مروان کو اپنا جانشین بنایا اور پھر دھیرے دھیرے عبدالملک ابن مروان نے اپنی سوجھ بوجھ اور ہوشیاری سے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ کر سارے علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔حجاج ابن یوسف عبدالملک ابن مروان ہی کی طرف سے کوفہ یعنی عراق کا گورنر مقرر کیا گیا تھا،اسی کو عبدالملک ابن مروان نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سپہ سالار مقرر کیا تھا،چنانچہ وہ لشکر لے کر حضرت عبداللہ ابن زبیر کے مقابلہ میں مکہ مکرمہ پہنچا اور اس نے ان کا محاصرہ کیا،اسی جنگ میں منجنیقوں کے ذریعہ پتھر پھینکے جاتے تھے اور اسی منجنیق سے پھینکا ہوا ایک پتھر خانۂ کعبہ کو بھی لگا تھا جس سے خانۂ کعبہ متأثر ہوا تھا،پھر دوبارہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعمیر کروائی تھی،اس کے بعد دوبارہ محاصرہ ہوا تھا اور اسی میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی احتیاط

جس زمانہ میں حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف لشکر کشی

کر رکھی تھی اس زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما (جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے ہیں اور بڑے مشہور صحابی ہیں) کو بعض لوگوں نے اس معاملہ میں شامل کرنا چاہا لیکن انہوں نے اس میں حصہ نہیں لیا، بلکہ مسلمانوں کی آپس کی جتنی بھی جنگیں تھیں ان میں سے کسی میں بھی انہوں نے حصہ نہیں لیا، آپ مسلمانوں کی آپس کی جنگ کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

٣٧١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرًارضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ".

ترجمہ: حضرت جریر ابن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (یعنی ان کے ساتھ مہربانی اور پیار کا معاملہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا۔

تشریح: جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اللہ ہمارے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے تو اس کا سب سے آسان طریقہ اور بہترین تدبیر یہ ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے) حدیث میں آتا ہے اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَن فِي السَّمَاءِ، زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

٣٧٢ - حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْمَلِكِ قَالَ: سَمِعْتُ قَبِيصَةَ بْنَ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ، وَلَا يُغْفَرُ مَنْ لَا يَغْفِرُ، وَلَا يُعْفَ عَمَّنْ لَمْ يَعْفُ،

وَلَا يُوقَّ مَنْ لَا يَتَوَقَّ .

ترجمہ: قبیصہ بن جابر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کیا جاتا (قدرت کا قانون یہی ہے) اور جو دوسروں کو معاف نہیں کرتا اس کو بھی معاف نہیں کیا جاتا اور جو دوسروں سے درگذر نہیں کرتا اس کے ساتھ درگذر کا معاملہ نہیں کیا جاتا اور جو خود کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتا اس کو للہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے بچایا نہیں جاتا (ہاں وہ خود بچنے کا اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی مدد کی جائے گی)۔

بَابُ ارْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ

۳۷۳ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: لَا يُرْحَمُ مَنْ لَا يَرْحَمُ، وَلَا يُغْفَرُ لِمَنْ لَا يَغْفِرُ، وَلَا يُتَابُ عَلَى مَنْ لَا يَتُوبُ، وَلَا يُوقَّ مَنْ لَا يُتَوَقَّ .

زمین والوں پر رحم کرو

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو آدمی دوسروں کے ساتھ محبت، شفقت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا (یہ قدرت کا ایک قانون ہے اسی کو بتلایا جا رہا ہے) اور جو دوسروں کو معاف نہیں کرتا اس کے ساتھ بھی معافی کا معاملہ نہیں کیا جاتا اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے خود اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو پھر اس کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی اور جو آدمی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کو بچایا نہیں جاتا۔

تشریح: قدرت کی طرف سے آدمی کے ارادے پر فیصلے ہوتے ہیں، ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی مدد کی جائے گی اور جب وہ اپنے آپ کو گناہوں سے بچانے کا ارادہ کرے گا اور بچنے کے لیے جو تدبیریں ہیں وہ عملی طور پر اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی مدد ہوگی اور اسے گناہوں سے بچایا جائے گا۔

٣٧٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ مِخْرَاقٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، عَنْ أَبِيهِ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَأَذْبَحُ الشَّاةَ فَأَرْحَمُهَا، أَوْ قَالَ: إِنِّي لَأَرْحَمُ الشَّاةَ أَنْ أَذْبَحَهَا، قَالَ: ”وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا، رَحِمَكَ الله“ مَرَّتَيْنِ .

ترجمہ: حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد حضرت قرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میں بکری ذبح کرنے جارہا ہوں تو اس کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کروں؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں اگر بکری کے ساتھ تم رحمت وشفقت کا معاملہ کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی رحمت وشفقت کا معاملہ کریں گے، یہ جملہ دومرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا۔

تشریح: جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے جانوروں کو انسان کی مختلف ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے انہی ضرورتوں میں سے ایک اس کی غذائی ضرورت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کے گوشت کو حلال قرار دیا ہے ان جانوروں کو اگر انسان ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت کو پورا کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اب بکری کو ذبح کرنے جارہے ہیں تو

ذبح ہونے والی بکری کے ساتھ رحمت کا کیا مطلب؟ جواب یہ ہے جیسا کہ دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جانور ذبح کرنے سے پہلے چھری کو اچھی طرح تیز کرلیا جائے تاکہ ذبح کرنے میں اس کے لیے دشواری نہ ہو، اگر چھری کند ہوگی تو اس صورت میں ذبح کرنے میں دیر ہوگی اور یہ چیز اس جانور کے لیے تکلیف کا باعث ہوگی تو گویا یہ اس کے ساتھ رحمت اور مہربانی کے خلاف معاملہ ہوا، تو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس ذبح کی جانے والی بکری کے ساتھ بھی اگر آپ مہربانی کا معاملہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی مہربانی کا معاملہ کرے گا۔

٣٧٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو جو اپنے کلام میں سچے ہیں اور اللہ کی طرف سے آپ کی تصدیق بھی کی گئی ہے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ رحمت اور مہربانی کا مادہ نہیں نکالا جاتا مگر ایسے آدمی کے دل سے جو بد بخت ہو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں مہربانی اور رقت کا جذبہ پیدا کیا ہے اس جذبہ کو شریعت نے جو طریقے بتلائے ہیں ان طریقوں سے عملی جامہ پہنانا ہے اور جو آدمی بد بخت ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے ایسے آدمی کے دل سے مہربانی کا جذبہ نکال دیا جاتا ہے۔

نواسے کی موت پر آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو

بخاری شریف کی روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک چھوٹا بچہ تھا جو جاں کنی کے عالم میں تھا یعنی اس کی روح نکلنے والی تھی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ پر پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لائیے میرا بچہ آخری حالت میں ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں سلام کہلوایا اور کہا کہ ان سے کہو صبر سے کام لیں اِنَّ لِلہِ مَا اَخَذَ وَلَہ مَا اَعْطیٰ وَکُلٌّ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمّیٰ فَلْتَصْبِرْ وَالْتَحْتَسِبْ (بخاری شریف، حدیث ۴۴۸) جو دیا وہ بھی اللہ ہی کا ہے اور جو لے رہا ہے وہ بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے اور ہر ایک کے لیے اللہ کے یہاں ایک وقت مقرر ہے اور یہ مقررہ وقت ہر جاندار اور بے جان کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔ بہر حال نبیٔ کریم ﷺ نے تسلی کے کلمات کہلوائے اور تشریف نہیں لے گئے، پھر دوبارہ آپ کی صاحب زادی نے آدمی بھیجا اور قسم دی کہ آپ کو آنا ہے، چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لے گئے، حضرت اسامہ ابن زید یا حضرت زید یا حضرت ابی ابن کعب اور حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کچھ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور جب آپ اپنی صاحب زادی کے یہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے اپنا وہ بچہ جو جان کنی کی حالت میں تھا نبیٔ کریم ﷺ کے ہاتھوں میں دیا اور وہ ایسی حالت میں آپ کو دیا گیا کہ اس کی سانس تیزی کے ساتھ چل رہی تھی، اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے، حضور ﷺ کے آنسوؤں کو دیکھ کر حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا کہ مَاھٰذایَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟ گویا حضور ﷺ کی مبارک آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا انہوں نے شاید شان نبوت کے خلاف سمجھا اس لیے انہوں نے یہ سوال کیا، تو نبیٔ کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ تو رحمت کا ایک مادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں رکھا ہے، اس رحمت کے مادے کا تقاضا یہ ہے کہ جب آدمی کسی کو تکلیف میں دیکھتا ہے تو اس کا دل بھر آتا ہے چاہے اپنا بچہ ہو یا کسی دوسرے کا ہو۔ جب کوئی کسی دوسرے کو تکلیف کی حالت میں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا جذبۂ رحمت جوش مارتا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں اور پھر حضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَاْ یَرْحَمْ لَاْ یُرْحَمْ یاد رکھو جو اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحمت وشفقت اور مہربانی کا معاملہ نہیں کرتا اس کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔ کسی کی تکلیف کو دیکھ کر دل کا بھر آنا اور اسی کے نتیجہ میں آنکھوں سے کوئی ایک آدھ آنسو بھی ٹپک جائے تو یہ کوئی خلاف شان بات نہیں بلکہ یہ تو اسی جذبۂ رحمت کا تقاضا ہے۔ بہر حال یہاں پر بھی نبیٔ کریم ﷺ یہی فرماتے ہیں کہ جو بد بخت ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہے گویا اسی کے دل سے یہ جذبہ نکال لیا جاتا ہے ورنہ اللہ نے ہر انسان کے دل میں یہ کیفیت رکھی ہے۔

٣٧٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: أَخْبَرَنِي قَيْسٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي جَرِيرٌ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ لَا يَرْحَمُهُ اللهُ".

ترجمہ: حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ نہیں کرتا۔

تشریح: قدرت کا یہ قانون ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، جب کوئی آدمی لوگوں کے ساتھ محبت ورحمت اور شفقت کے ساتھ پیش نہیں آتا تو قدرت کی طرف سے بھی اس کے لیے ایسے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں کہ وہ بھی لوگوں کی طرف سے شفقت ومحبت سے محروم رہتا ہے۔حالات ایسے پیش آتے ہیں کہ اس کے ساتھ بھی پھر مہربانی کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

وہ رحمت وشفقت جو شریعت نے بتلائی

بھائی! آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ رحمت وشفقت اور مہربانی کا معاملہ کیا جائے تو آپ بھی لوگوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا معاملہ کیجئے۔اب رحمت وشفقت کا معاملہ کیسے کرنا ہے؟ شریعت نے لوگوں کے ساتھ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے جیسا مہربانی اور رحمت کا طریقہ بتلایا اس طرح کا معاملہ کیجئے،مثلاً آپ کسی بچے کی تربیت کے لیے ذرا سختی سے انہی حدود کے ساتھ جو شریعت نے بتلائی ہیں پیش آرہے ہیں تو یہ کوئی رحمت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ تو عین رحمت کا تقاضا ہے، اگر یہ معاملہ نہیں کریں گے تو اس کی تربیت نہیں ہوگی اور یہ ایسے ہی کندۂ ناتراش کی طرح بڑا ہو جائے گا اور پھر یہی چیز اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہوگی، اس کو ایسا ہی چھوڑ دیا جائے یہ رحمت نہیں ہے۔آج کل تو لوگوں نے رحمت اور شفقت کے جتنے مفاہم ہیں ان سارے مفاہم کو بھی اپنے ذہن سے متعین کرلیا ہے، ہر چیز کے لیے طریقہ وہی اختیار کرنا چاہیے جو شریعت نے بتلایا۔

بَابُ رَحْمَةِ الْعِيَالِ

٣٧٧ - حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْحَمَ النَّاسِ بِالْعِيَالِ، وَكَانَ لَهُ ابْنٌ مُسْتَرْضَعٌ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ، وَكَانَ ظِئْرُهُ قَيْنًا، وَكُنَّا نَأْتِيهِ، وَقَدْ دَخَنَ الْبَيْتُ بِإِذْخِرٍ، فَيُقَبِّلُهُ وَيَشُمُّهُ .

اہل وعیال کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو نبیٔ کریم ﷺ کے خادم ہیں) فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنے عیال کے ساتھ بہت محبت، شفقت اور مہربانی فرمانے والے تھے (اپنے ماتحت اور گھر میں جو لوگ ہیں وہ سب عیال کہلاتے ہیں، مثلاً اولاد، اولاد کی اولاد، اور جو اس کے گھر میں اس کی پرورش میں ہیں جن کا سارا انتظام یہی کرتا ہے وہ سب بھی عیال میں داخل ہیں) آپ کا ایک بیٹا تھا جس کو مدینہ شہر سے باہر ایک جگہ پر دودھ پلایا جاتا تھا۔ آپ کے بیٹے کی رضاعی ماں کا شوہر پیشے کے اعتبار سے لوہار تھا اور گھر میں اذخر گھاس سے آگ جلاتا تھا، ہم جب نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ وہاں جاتے تو وہ گھر دھوئیں سے بھرا ہوتا تھا، آپ ﷺ اپنے بیٹے کو بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور تقریباً ڈھائی تین سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے ان کو دودھ پلانے کی غرض سے مدینہ سے کچھ باہر ایک

عورت کے حوالے کیا گیا تھا۔اس عورت کا شوہر لوہار پیشہ تھا اور اپنے گھر میں ایک خاص قسم کی گھاس جس کو عربی میں اذخر کہتے ہیں جلاتا تھا، اذخر ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جس کے بڑے بڑے پتے ہوتے ہیں اور وہ گھاس خاص طور پر عرب کے علاقے میں پیدا ہوتی ہے جو اس زمانے میں گھروں کی چھتوں پر بچھانے کے بھی کام آتی تھی اور اس کو لوہار اور سنار اپنی بھٹیوں میں جلانے کے لیے بھی استعمال کرتے تھے جس سے بہت دھواں پیدا ہوتا تھا۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی لطیف طبیعت کے باوجود دھویں کی بو سے ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ اسی حالت میں اپنے بیٹے کو گلے لگاتے، بوسہ دیتے اور سونگھتے تھے۔آدمی چھوٹے بچے کو لیکر ناک کے ساتھ لگاتا ہے جیسے پھول کو ناک کے ساتھ لگاتے ہیں اور سونگھتے ہیں بچوں کو بھی سونگھا جاتا ہے، یعنی چھوٹے بچوں کے جسم کو ناک کے ساتھ لگا کر جو محبت کا معاملہ کیا جاتا ہے اس کو سونگھنے سے تعبیر کرتے ہیں جیسے پھول کو سونگھا جاتا ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر کے چھوٹے بچوں کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کرنا یہ عین سنت ہے۔

٣٧٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَمَعَهُ صَبِيٌّ، فَجَعَلَ يَضُمُّهُ إِلَيْهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”أَتَرْحَمُهُ؟“ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: ”فَاللهُ أَرْحَمُ بِكَ مِنْكَ بِهِ، وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ“.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں ایک آدمی حاضر ہوا اور اس کے ساتھ اس کا چھوٹا سا بچہ بھی تھا وہ آدمی اپنے اس بچے کو اپنے سے چمٹاتا تھا (چھوٹا بچہ ہوتا ہے تو آدمی اس کو لیے ہوئے اپنے جسم سے چمٹائے رہتا ہے) تو حضور ﷺ نے اس کی اس چمٹانے والی کیفیت کو دیکھ کر اس سے سوال کیا کہ کیا تو اپنے اس بچے کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے؟ (یعنی تجھے اپنے اس بچے کے ساتھ پیار ہے؟) اس نے کہاں کیوں نہیں؟ جی ہاں پیار ہے۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم کو اپنے بچے کے ساتھ جتنا پیار اور محبت ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ تیرے ساتھ پیار اور محبت ہے، وہ مہربانی کرنے والوں، محبت کرنے والوں، پیار کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربانی اور پیار کرنے والا ہے۔

ایک قیدی عورت کا اپنے بچے کے ساتھ مہربانی کا قصہ

تشریح: دیکھو! حضور ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسے مواقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ رحمت، شفقت، مہربانی اور پیار کا جو تعلق ہے اس کو ظاہر کیا کرتے تھے، بخاری شریف میں روایت ہے ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کے پاس چند قیدی لائے گئے اور ان قیدیوں میں ایک ایسی عورت تھی جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی یعنی جس کا بچہ دودھ پیتا تھا، اس وقت اس کا بچہ اس سے بچھڑا ہوا تھا یعنی کہیں ادھر ادھر ہو گیا تھا، اب اس کی چھاتی میں دودھ جوش مارنے لگا (اور جب چھاتی میں دودھ جوش مارتا ہے تو وہ بچے کو دودھ پلانے کے لیے بے چین ہو جاتی ہے)، وہ ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی کہ اتنے میں اس کو اس کا بچہ نظر آیا اس نے جلدی سے اسے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا، اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ بتلاؤ کیا یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ اس کے جواب میں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول!

اگر یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں نہ ڈالنے پر قادر ہو تو ہرگز نہیں ڈالے گی، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ وَھِیَ تَقْدِرُ عَلٰی اَنْ لَا تَطْرَحَہ وہ قدرت رکھتی ہو کہ اس کو آگ میں نہ ڈالے (بخاری شریف، کتاب الادب، حدیث ۵۹۹۹) مطلب یہ ہے کہ جتنا اس ماں کو یعنی اس عورت کو اپنے بچے کے ساتھ پیار ہے، محبت اور مہربانی کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔

حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ کا پرندوں کے بچوں کو پکڑنے کا قصہ

ایک اور روایت ہے حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جو چادر اوڑھے ہوئے تھا اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس پر چادر ڈھانپ رکھی تھی اس نے آکر نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ایک درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گذر رہا تھا وہاں مجھے اندر سے پرندوں کے بچوں کے بولنے کی آوازیں آئیں، میں اندر گیا تو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے پرندوں کے بچے ہیں، میں نے ان کو لیکر ان پر چادر ڈال دی اور جب باہر نکلا تو ان بچوں کی ماں میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے وہ چادر ہٹا دی تو وہ آکر اپنے بچوں پر پڑ گئی اب وہ جانے کا نام نہیں لیتی بچے تو بہر حال کمزور ہیں اڑنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیے نہیں اڑ سکتے ماں تو اڑنے کی طاقت رکھتی ہے لیکن اپنے بچوں کی محبت کی وجہ سے وہ بھی یہاں سے جانے کا نام نہیں لیتی، حضور ﷺ کو کہا کہ یہ وہ پرندے ہیں آپ نے فرمایا نیچے رکھو اس نے چادر ہٹا کر بچوں کو نیچے رکھا ماں بھی وہیں تھی اور جانے کا نام نہیں لیتی تھی، اس منظر کو دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوال کیا اَتَعْجَبُوْنَ لِرَحِمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِها وَالَّذِیْ بَعَثَنِی بِالْحَقِّ لَلهِ اَرْحَمُ بِعِبادِہ مِنَ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِها (سنن ابی داؤد) کیا تمہیں ان بچوں کی ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ جو تعلق ہے اس پر تعجب ہوتا ہے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق لیکر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ پیار و محبت ہے جتنا اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ۔ بہر حال یہاں پر بھی رسول اللہ ﷺ اسی چیز کو فرما رہے ہیں کہ وھو ارحم الراحمین وہ تمام مہربانی کرنے والوں میں سب سے زیادہ مہربانی کرنے والا۔

بَابُ رَحْمَةِ الْبَهَائِمِ

٣٧٩ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَرضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ اشْتَدَّ بِهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَنِي، فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّاهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهَا بِفِيهِ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ“، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: ”فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ.

چوپایوں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد

فرمایا کہ ایک آدمی ایک راستے پر سے گذر رہا تھا اس کو سخت پیاس لگی چنانچہ اس نے ایک کنواں پایا تو اندر اترا اور اتر کر اس نے پانی پیا، جب وہ پانی پی کر باہر آیا تو اس نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے اور اس کی زبان باہر نکل رہی ہے، اس آدمی نے اپنے دل میں یوں سوچا کہ پیاس کی جو شدت مجھے محسوس ہوئی تھی اس کتے کو بھی اسی طرح کی پیاس کی شدت کا احساس ہے چنانچہ وہ آدمی دوبارہ کنویں میں اترا اس کے پاس چمڑے کا موزہ تھا اس کو اس نے پانی سے بھرا پھر اس موزے کو اپنے دانتوں میں دبایا (اس لیے کہ ہاتھوں کو تو وہ چڑھنے کے لیے استعمال کرے گا) اور باہر آیا اور کتے کو وہ پانی پلایا اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبولیت عطا فرما کر اس کی مغفرت فرمادی (بخاری شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے) یہ قصہ سن کر حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم جانوروں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کریں کیا اس پر بھی ہمیں اجر ملے گا؟ (سوال پیدا ہونا قدرتی بات تھی اس لیے انہوں نے پوچھا کہ کیا جانوروں کے ساتھ بھلائی پر بھی اجر ملے گا؟ اس لیے کہ آدمی یوں سوچتا ہے کہ انسان ہی کے ساتھ بھلائی کی جائے) تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر تر جگر یعنی ہر ذی روح کے ساتھ بھلائی پر اجر ملنا یقینی ہے۔

مکھی کا خیال رکھنے پر مغفرت ہوگئی

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے، یہ صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔ ایک بڑے عالم تھے جو درس و تدریس، تالیف تصنیف، تقریر اور وعظ وغیرہ سے دین کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتے تھے، ان کا جب انتقال ہوا تو انتقال کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ

کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی لیکن بڑی عجیب بات ہوئی، وہ یہ کہ میں ایک مرتبہ ایک کتاب تصنیف کررہا تھا میں نے قلم کو دوات کے اندر ڈبویا اور نکال کر لکھنا چاہتا تھا کہ اتنے میں ایک مکھی آکر اس کی نب یعنی نوک پر بیٹھ گئی اور وہ اس کی روشنائی پینے لگی تو میں نے لکھنے کا عمل روک دیا، ٹھہر گیا، تا کہ یہ مکھی اپنی پیاس بجھالے، چنانچہ جب وہ جتنا پینا تھا پی کر اڑ گئی تو اس کے بعد میں نے لکھنا شروع کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے اس عمل پر میری مغفرت فرمادی۔

۳۸۰ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عُذِّبَت امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، فَدَخَلَتِ فِيهَا النَّارَ، يُقَالُ، وَاللهُ أَعْلَمُ: لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِيهَا، وَلَا سَقَيْتِيهَا حِينَ حَبَسْتِيهَا، وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِيهَا، فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا گیا اور اسی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔ اس نے بلی کو پال کر روک رکھا تھا یعنی باندھ کر رکھا ہوا تھا اور اس کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھتی تھی چنانچہ بھوک کی وجہ سے وہ بلی مرگئی اور اس کے بدلے میں وہ جہنم میں داخل ہوئی، اس کو کہا گیا (باقی اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کہ نہ تو تو نے اس کو کھلایا پلایا، جب تو نے اس کو پالا تھا اور باندھ دیا تھا تو اس کو کھلانے پلانے کا انتظام بھی کرتی یا پھر یہ کہ اسے کھلا چھوڑ دیتی اور وہ اپنی مرضی سے زمین کے اندر کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی ضرورت پوری کر لیتی۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس عورت کو عذاب میں مبتلا کیا گیا

اس لیے کہ اس نے بلی کو نہ تو چھوڑا کہ وہ از خود اپنے کھانے پینے کے لیے کوئی کوشش کر لے اور نہ ہی اس نے بندھے ہوئے ہونے کی حالت میں اس کے کھانے پینے کا انتظام کیا۔ ایک آدمی جب کسی پرندے کو پالتا ہے اور اسے پنجرے میں بند رکھتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کھانے پینے اور اس کی ضرورتوں کا انتظام کرے اور اس کو بیجا تکلیف نہ پہنچائے۔

۳۸۱ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ الْقُرَشِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا جرِير قَالَ: حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ زَيْدٍ الشَّرْعَبِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ارْحَمُوا تُرْحَمُوا، وَاغْفِرُوا يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ، وَيْلٌ لِأَقْمَاعِ الْقَوْلِ، وَيْلٌ لِلْمُصِرِّينَ الَّذِينَ يُصِرُّونَ عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ".

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگوں کے ساتھ مہربانی، شفقت اور رحم کا معاملہ کرو تمہارے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کیا جائے گا اور تم لوگوں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کریں گے، وہ لوگ جو بات سن کر اس کو قبول نہیں کرتے ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہو (اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ جن کے کان میں کوئی بات نہ رہتی ہو، جو بھی بات سنی غلط ہو یا صحیح وہ دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں ایسے لوگوں کو اقمع القول کہتے ہیں) اور ہلاکت ان لوگوں کے لیے بھی جو ایسے غلط کام پر جمے ہوئے ہیں اور اصرار کرتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ غلطی پر ہیں۔

تشریح: لفظ اَقْمَاع یہ قِمَعٌ کی جمع ہے، بعض مرتبہ کسی برتن میں کوئی چیز ڈالنی ہوتی ہے اور اس کا منھ تنگ ہوتا ہے تو اس کے اوپر دوسرا برتن رکھا جاتا ہے اور پھر وہ چیز

ڈالی جاتی ہے جیسے بوتل میں تیل وغیرہ ڈالنا ہوتو پہلے نارچہ (گرنی) رکھتے ہیں پھر اس کے ذریعہ سے تنگ منھ والے برتن میں وہ چیز پہنچاتے ہیں جس کو قیف کہتے ہیں اور عربی زبان میں اسے قمیع کہا جاتا ہے،اس برتن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ساری چیزیں اس سے گذرتی ہیں لیکن اس میں خود کچھ نہیں رہتا،اسی طرح وہ شخص ہے جو ساری چیزیں لوگوں سے سنتا ہے مگر خود عمل نہیں کرتا ایسے لوگوں کے لیے اقماع القول کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح آج کل عام طور پر اس چیز کا بھی مزاج بنتا جارہا ہے کہ کسی کی غلط روش اور غلط رویہ کے اوپر ہمارے بڑے سرزنش کرتے ہیں کہ آپ جو کچھ کررہے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نہیں ہے اس کے خلاف ہے، تو کہتے ہیں کہ مولوی صاحب برابر ہے لیکن کیا کریں؟ یعنی سامنے والے کا قصور نکال کر خود بھی اسی غلطی پر باقی رہنا چاہتے ہیں تو ایسے لوگ جو اپنی اس غلط چیز پر اصرار کرتے ہیں جمے رہتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم جو کچھ کررہے ہیں وہ غلط ہے تو ایسے لوگوں کے لیے بھی ہلاکت ہے۔ایک آدمی نادانی کی وجہ سے اپنی غلطی کو نہیں جانتا اور اس کو احساس نہیں ہے کہ میں غلط کررہا ہوں تو وہ کسی معنی میں معذور قرار دیا جاتا ہے اگر چہ وہ بھی گنہگار تو ہے ہی،اللہ کے یہاں اس کی بھی پوچھ ہوگی،مواخذہ ہوگا، لیکن ایک آدمی جاننے کے باوجود غلطی پر اصرار کرے اور جما رہے یہ اور خطرناک صورت حال ہے ایسے لوگوں کے لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہلاکت کی دعا فرمائی ہے۔

حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوی کہ آدمی جس طرح کا سلوک اور معاملہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح کا سلوک اور معاملہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے،آدمی اپنے ساتھ اللہ کی طرف سے جو سلوک چاہتا ہوا سے

اسی طرح کا معاملہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔

۳۸۲ - حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ بْنُ جَمِيلٍ الْكِنْدِيُّ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيحَةً، رَحِمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی رحم اور مہربانی کا معاملہ کرے گا چاہے ذبح کیے جانے والے جانور کے ساتھ کیوں نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کریں گے۔

تشریح: اللہ تبارک وتعالیٰ نے جانوروں کو انسانوں کی ضرورت کے لیے پیدا فرمایا ہے کہ انسان کی ضرورتیں ان سے پوری ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی ان کو پیدا کیا تو جانوروں کو بھی پیدا کیا، اب یہ جانور انسان کی مختلف ضرورتوں میں استعمال ہوتے ہیں، بعض جانور سواری کے لیے اور بعض کھانے کے لیے، اسی لیے شریعت نے انسانوں کو ایسے جانوروں کو ذبح کر کے کھانے کی اجازت دی اس لیے ذبح کرنے میں تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ ہے کہ بوقت ذبح ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کیا جائے مثلاً ذبح کرنے کے لیے جو آلہ ہے وہ تیز دھار والا ہو تا کہ ذبح میں دیر ہو کر اس کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو، اسی طرح ایک جانور کو ذبح کرنا ہے تو دوسرے جانور کو اس کے سامنے ذبح نہ کیا جائے بلکہ اس کی نگاہوں سے بچا کر ذبح کیا جائے تا کہ اس کو ذبح ہوتا دیکھ کر اس دوسرے جانور کے دل میں خوف پیدا نہ ہو۔

بَابُ أَخْذِ الْبَيْضِ مِنَ الْحُمَّرَةِ

۳۸۳ - حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ،رضى الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ مَنْزِلًا فَأَخَذَ رَجُلٌ بَيْضَ حُمَّرَةٍ، فَجَاءَتْ تَرِفُّ عَلَى رَأْسِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ''أَيُّكُمْ فَجَعَ هَذِهِ بِبَيْضَتِهَا؟'' فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَا أَخَذْتُ بَيْضَتَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''ارْدُدْ، رَحْمَةً لَهَا''.

چڑیا کے انڈے لینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک سفر میں کسی منزل پر پڑاؤ ڈالا اور اسی پڑاؤ کے دوران کسی آدمی نے ایک پرندے کے انڈے اس کے گھونسلے میں سے نکال لیے (اس پرندے کو عربی میں حمرہ کہا جاتا ہے، یہ ایک چھوٹی سی چڑیا ہوتی ہے تو اس کا انڈا ایک آدمی نے لے لیا تھا) وہ پرندہ نبیٔ کریم ﷺ کے اوپر آ کر اپنے پر پھڑ پھڑانے لگا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کا یہ معاملہ دیکھ کر فرمایا کہ بھائی کس نے اس پرندے کے انڈے لیکر اس کو وحشت، پریشانی اور تکلیف میں ڈال دیا، ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میں اس کے انڈے لے آیا ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا اے بھائی اس پرندے کے ساتھ مہربانی، شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے ہوئے اس کے انڈے واپس کر۔

تشریح: ''اس پرندے کے ساتھ مہربانی، شفقت اور محبت کا معاملہ کرتے ہوئے اس کے انڈے واپس کر'' یہ ترجمہ اس وقت ہوگا جبکہ یہ سمجھا جائے گا کہ

"اُرْدُدْ، رَحْمَةً لَهَا" یہ پورا جملہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ آپ ﷺ نے تو صرف اُرْدُدْهُ اتنا ہی فرمایا، اب آگے رَحْمَةً لَهَا یہ راوی کا اضافہ ہے آپ ﷺ نے رَحْمَةً لَهَا نہیں فرمایا، اس وقت ترجمہ ہوگا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس کے انڈے واپس کردے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد اس پرندے کے ساتھ محبت اور مہربانی کے طور پر تھا۔ گویا رَحْمَةً لَهَا کا تعلق اس صورت میں حضور ﷺ کی اس ہدایت اور تاکید کے ساتھ ہوگا۔

بَابُ الطَّيْرِ فِي الْقَفَصِ

٣٨٤ - حَدَّثَنَا عَارِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُونَ الطَّيْرَ فِي الْأَقْفَاصِ.

پرندے کو پنجرے کے اندر رکھنا

ترجمہ: حضرت ہشام ابن عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما جس زمانہ میں مکہ میں تھے (وہاں کے حاکم بھی رہے ہیں) اور حضور ﷺ کے صحابہ اس وقت پرندوں کو پنجروں میں اٹھائے ہوئے ہوتے تھے۔

تشریح: پرندے کو پنجرے میں رکھنا کیا یہ رحمت اور مہربانی کے خلاف ہے یا اس کی گنجائش ہے؟ تو فرمایا کہ پرندوں کو پنجروں میں ڈال کر رکھنا یہ کوئی مہربانی کے خلاف نہیں ہے بشرطیکہ ان کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھا جائے اور ان کو کوئی تکلیف اور ایذاء نہ پہنچائی جائے۔

۳۸۵ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى ابْنًا لِأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ: أَبُو عُمَيْرٍ، وَكَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ، فَقَالَ: "يَاأَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ - أَوْ أَيْنَ - النُّغَيْرُ؟".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک بچے کو دیکھا جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا، اس کی ایک چڑیا تھی وہ اس نے پال رکھی تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا (سرخ چونچ کی چھوٹی چڑیا ہوا کرتی ہے جس کو کو نغیر کہتے ہیں، وہ چڑیا مرگئی اور مرنے کی وجہ سے وہ بچہ اس کے فراق میں غمگین بیٹھا ہوا تھا، تو دل لگی کے طور پر اس کا غم دور کرنے کے لیے) آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اے ابوعمیر تمہارا وہ لال کا کیا ہوا یعنی تمہاری اس چڑیا کا کیا ہوا یوں کہہ کر حضور ﷺ اس کے ساتھ دل لگی کر رہے تھے اور اس کا غم دور کرنا چاہتے تھے۔

تشریح: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے یہ بیٹے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی والدہ کا نکاح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا انہی سے یہ بچہ پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ پرندوں کو اگر پالنے کے لیے پنجروں میں رکھا جائے تو اس کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی اور ایذاء رسانی کا معاملہ نہ کیا جائے۔ ورنہ جیسا کہ پہلے باب میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے بلی پال رکھی تھی اور اس کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرنے پر اس کو جہنم میں جانا پڑا۔

بَابُ يَنْمِي خَيْرًا بَيْنَ النَّاسِ

٣٨٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّ أُمَّهُ أُمَّ كُلْثُومٍ ابْنَةَ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ أَخْبَرَتْهُ، أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَقُولُ خَيْرًا، أَوْ يَنْمِي خَيْرًا“، قَالَتْ: وَلَمْ أَسْمَعْهُ يُرَخِّصُ فِي شَيْءٍ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ مِنَ الْكَذِبِ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: الْإِصْلَاحِ بَيْنَ النَّاسِ، وَحَدِيثِ الرَّجُلِ امْرَأَتَهُ، وَحَدِيثِ الْمَرْأَةِ زَوْجَهَا .

لوگوں کے درمیان خیر پھیلانے کی فضیلت کے بارے میں

ترجمہ: حضرت حمید بن عبد الرحمٰن (جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے ہیں) وہ اپنی والدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان تعلقات کو ہموار کرنے کے لیے یعنی درست کرنے کے لیے کوئی بھلی بات کسی دوسرے کو پہنچاتا ہے (مطلب یہ کہ وہ گنہگار نہیں ہے، اس کو کذاب نہیں کہیں گے) پھر یہی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کی گفتگو میں غلط بات کہنے کی گنجائش دینے کو کبھی نہیں سنا سوائے تین موقعوں کے، ایک تو لوگوں کے درمیان تعلقات کو درست کرنے کے لیے۔ اسی طرح عورت کا شوہر کو توریہ والی بات کرنا (یعنی بیوی کو کبھی شوہر خوش کرنے کے لیے کوئی توریہ والی بات کرے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

تشریح: دو جماعتوں میں یا دو آدمیوں میں تعلقات کشیدہ اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور آپ ان کو ٹھیک کرنے کے لیے ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو کہیں کہ میں نے سنا وہ آدمی تو آپ کے لیے دعا کرتا ہے، وہ تو آپ کی خیر خواہی کرتا ہے اور آپ کی بھلائی چاہتا ہے، تاکہ اس کے دل میں اس کے متعلق جو میل ہے وہ دور ہو جائے، جو دوری ہے وہ ختم ہو جائے تو اس طرح کے عمل کی حضور ﷺ نے اجازت دی ہے۔ مگر اس میں بھی توریہ کرے یعنی بظاہر الفاظ ایسے استعمال کئے جائیں کہ اگر اس میں ذرا تاویل کریں تو وہ بات اپنی جگہ درست ہو جائے، جیسا کہ یہ کہے کہ وہ تو تمہارے لیے دعا کرتا ہے اور یہ کوئی جھوٹی بات بھی نہیں کہ وہ آپ کے لیے دعا کرتا ہے کیونکہ ہر مسلمان باقی مسلمانوں کے لیے دعا تو کرتا ہے ہی اور مسلمانوں کا ایک فرد یہ بھی ہے یہ معنیٰ لے کر اس طرح کہنا درست ہے، اور بھی اس کی شکلیں ہیں، یعنی آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ توریہ والی بات کرنا مثلاً شوہر کا معاملہ بیوی کے ساتھ ذرا پیچیدہ رہتا ہے، کبھی اس کی دل جوئی کے لیے ایسی توریہ والی بات کرنی پڑتی ہے تو اس کی اجازت ہے۔

عقبہ بن ابی معیط کی شرارت اور اللہ کی پکڑ

اس حدیث کی راویہ عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، عقبہ بن ابی معیط مکہ کا بڑا سخت قسم کا کافر تھا، نبیٔ کریم ﷺ کو بہت سخت تکلیفیں پہنچایا کرتا تھا، ایک موقع پر نبیٔ کریم ﷺ حرم شریف میں بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے وہاں ابوجہل اپنی ٹولی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس کو شرارت سوجھی، اس نے کہا کہ فلاں محلہ میں اونٹ ذبح ہوا ہے کون ہے جو اس کی اوجھری اٹھا کر لائے اور آپ ﷺ کی

پیٹھ پر رکھ دے، چنانچہ یہی عقبہ بن ابی معیط گیا اور وہ اوجھری اٹھا کر لایا اور نبئ کریم ﷺ جب سجدہ میں تھے اسی حالت میں اس نے آپ کی پیٹھ پر رکھ دی، اس کے بوجھ سے نبئ کریم ﷺ کے لیے سر اٹھانا مشکل ہو گیا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دور سے یہ منظر دیکھا تو دوڑی ہوئی، لوگوں کو کوستی ہوئی آئیں اور آ کر اونٹ کی اوجھری کو آپ ﷺ پر سے ہٹایا پھر آپ اٹھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر جو ستر قیدی پکڑے گئے تھے ان میں عقبہ بن ابی معیط بھی تھا لیکن راستے ہی میں مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے ہی مقام روحہ پر نبئ کریم ﷺ نے اس کی گستاخیوں کی بنا پر اس کی گردن مروادی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا قریب البلوغ تھیں اور انہوں نے ایمان قبول کیا تھا، نبئ کریم ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر مکہ والوں سے جو صلح کی تھی اس صلح میں اور شرطوں کے ساتھ ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ کوئی آدمی مکہ کا رہنے والا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے گا تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسے واپس مکہ والوں کے حوالے کریں چنانچہ اس صلح کی بنیاد پر جو مرد آئے تھے ان کو تو واپس کیا گیا اور یہ اسی زمانہ میں مسلمان ہوئی تھیں اور مسلمان ہو کر اکیلی مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچیں، ان کے بھائی انہیں لینے کے لیے مدینہ پہنچے کہ ہماری بہن آئی ہے اسے واپس کیجیے، تو حضور ﷺ نے انہیں واپس نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ اس شرط کا تعلق مردوں سے ہے عورتوں سے نہیں ہے، اس وقت ان کا نکاح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا، بعد میں انہوں نے طلاق دی، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا انہی سے یہ حمید پیدا ہوئے ہیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان دوری ہے تو کوئی شخص

ان دونوں کے درمیان صلح کی نیت سے ایک کی اچھی بات دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو تمہارے لیے بہت دعا کررہا تھا، وہ تمہاری بہت تعریف کررہا تھا اور اس مقصد سے کہے تا کہ اس کو سن کر اس کے متعلق کوئی اگر میل یا کدورت ہے تو وہ دور ہوجائے اور کوئی دوری ہے تو وہ ختم ہوجائے اور نزدیکی پیدا ہوجائے تو اس کی اجازت ہے۔

بَابُ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ

٣٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، رضى الله عنه وعنهم عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَالْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا".

جھوٹ جائز نہیں ہے

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم سچائی کو لازم پکڑو (یعنی ہمیشہ سچ بولو) اس لیے کہ سچائی آدمی کو نیکی کی طرف لیجاتی ہے (یعنی سچ بولنے کی برکت یہ ہوگی کہ آدمی نیکی پر قائم ہوگا اور نیک اعمال کی توفیق ملے گی) اور نیکی آدمی کو جنت تک لیجاتی ہے۔ اور آدمی سچ کی پابندی کرتا ہے، ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی اس کا شمار صدیقین اور سچوں میں ہوتا ہے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جھوٹ سے بچو یہ جھوٹ آدمی کو بدعملی کی طرف لیجاتا ہے (فجور یعنی

گناہ، سب نافرمانی کے کام کو فجور سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا جھوٹ کی یہ خاصیت ہے کہ جھوٹ کی وجہ سے آدمی ہمیشہ گناہوں میں مبتلا ہوگا) اور گناہ اس کو جہنم تک لے جائیں گے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں باقاعدہ جھوٹوں میں شمار ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کے یہاں جھوٹوں میں شمار ہوگیا تو معاملہ بڑا سنگین ہوجاتا ہے، پھر تو گویا مہر لگ گئی۔

تشریح: نیک بننے کا بہت آسان نسخہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا، تجربہ کرکے دیکھ لو، جو لوگ اپنے آپ کو نیک بنانا چاہتے ہیں، اعمال خیر پر مداومت کرنا چاہتے ہیں وہ طے کرلیں کہ کچھ بھی ہوجائے ہمیشہ سچ ہی بولیں گے چاہے بظاہر سچ بولنے میں کتنا ہی بڑا نقصان ہوتا ہو اور جان تک کا خطرہ معلوم ہوتا ہو تو بھی یہ طے کرلیں کہ ہم ہمیشہ سچ بولیں گے، اگر آپ اس کا اہتمام کرلیں گے تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے کہ سچائی آدمی کو نیکی تک لیجاتی ہے، اس سے تمام خیر کے کاموں کی توفیق ہوگی۔

سچ سارے گناہوں سے نجات دلاتی ہے

بہر حال روایتوں میں اس نوع کے قصے بھی موجود ہیں ایک واقعہ ہے کہ کسی نے آکر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے متعلق کہا کہ مجھے بری عادتیں پڑی ہوئی ہیں چوری، زنا کاری اور جھوٹ بھی بولتا ہوں، ان میں سے کوئی ایک کام چھوڑنے کے لیے تیار ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ سچ بولا کرو، جھوٹ مت بولو، وعدہ کرلیا چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جب چوری کرنے کا ارادہ کیا اور سوچا کہ میں نے تو سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے، چوری کررہا ہوں اگر بعد میں پوچھا جائے گا اور میں بتلاؤں گا کہ میں نے چوری کی ہے تو ایک ہاتھ کاٹا جائے گا چوری نہیں کروں گا، جب زنا کا خیال آیا تو سوچا کہ میں نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے اب اگر میں زنا کرتا ہوں اور بعد میں مجھے

پوچھا گیا اور میں بتلاؤں گا کہ میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو زنا کی جو سزا ہے وہ جاری ہوگی، گویا یہ سچ سارے گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ بن گیا۔

یہ ایک طریقہ بھی اپنا کر دیکھ لو

حقیقت یہی ہے، یہاں اس روایت میں نبیٔ کریم ﷺ نے سچ کی خاصیت بتلائی یہ تو عملی طور پر حدیث میں قصہ موجود ہے ورنہ آپ سچ کا اہتمام کریں گے تو سارے گناہوں سے حفاظت کی دولت ضرور نصیب ہوگی یہ حضور ﷺ کا وعدہ ہے، حضور ﷺ نے فرمادیا کہ سچ کا نتیجہ یہی کہ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔اس لیے میں تو ہمیشہ اپنے طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ آپ نیکی کی طرف اگر لگنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان طریقہ سچ بولنا ہے آپ لوگ سارے دوسرے طریقے اپنا چکے یہ ایک طریقہ بھی اپنا کر دیکھ لو اور طے کرلو کہ کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے ہمیشہ سچ ہی بولیں گے ان شاء اللہ یہ آسان ہوجائے گا، اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں۔

٣٨٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ فِي جِدٍّ وَلَا هَزْلٍ، وَلَا أَنْ يَعِدَ أَحَدُكُمْ وَلَدَهُ شَيْئًا ثُمَّ لَا يُنْجِزُ لَهُ .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے نہ تو حقیقت کے طور پر اور نہ ہی مذاق کے طور پر (یعنی مذاق میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں ہے، مذاق میں بھی بولے گا تو بھی گنہگار ہوگا) یہاں تک کہ کوئی آدمی اپنے بچے سے کوئی ایسا وعدہ نہ کرے جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

تشریح: جھوٹ موٹ بچوں کو بہلانے، پھسلانے اور ان سے کچھ کام

کروانے کے لیے ماں باپ کہتے ہیں کہ تم ایسا کروتوتم کو یہ دیں گے، تمہارے ساتھ ایسا کریں گے حالانکہ اس وعدہ کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہوتا یہ بھی جھوٹ ہے۔ ابوداوود شریف کی روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا کسی اور کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک ماں نے اپنے بیٹے کو کہا ادھر آؤ میں تم کو کچھ دیتی ہوں تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نے یہ کہا تو کیا واقعتاً تمہارا اس کو کچھ دینے کا ارادہ تھا؟ کہا کہ ہاں! ایک کھجور تھی میرے پاس اور میرا ارادہ تھا کہ یہ آئیگا تو میں کھجور دوں گی، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمہارے اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ بہت سی مرتبہ آدمی اس طرح کی باتیں کر کے بھی اپنے آپ کو جھوٹ میں مبتلا کر لیتا ہے، ضرورت ہے کہ اس سے بھی بچنے کا اہتمام کیا جائے۔

بَابُ الَّذِي يَصْبِرُ عَلَى أَذَى النَّاسِ

٣٨٩ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ، وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ، خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ''.

جو آدمی لوگوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر سے کام لیتا ہے

(اس کی بھی بڑی فضیلت ہے)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ وہ مومن جو لوگوں کے ساتھ ملا جلا رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچائی جانے والی تکلیف پر صبر سے کام لیتا ہے وہ آدمی اس آدمی کے مقابلہ میں بہتر ہے جو نہ تو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور نہ ان کی ایذاء رسانی پر صبر کرتا ہے۔

تشریح: بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ ان کا جی سب سے منقطع ہو کر الگ گھر کے کونہ میں تنہائی میں بیٹھے رہنے کو چاہتا ہے، نہ کسی کی ملاقات اور نہ کسی سے ملنا جلنا، اب جب کسی سے ملاقات ہی نہیں تو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں جو آدمی لوگوں سے ملتا جلتا ہے وہاں یہ صورت پیش آسکتی ہے کہ لوگوں کی طرف سے اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس سے اس کو تکلیف ہو، غیر تو کیا بلکہ اپنوں سے یعنی بیوی بچوں سے اور گھر کے دیگر لوگوں سے بھی تکلیف پہنچے گی۔ آدمی کا اپنے معاشرے میں معاشرے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے رشتہ داروں کے ساتھ ملاقات کرنا اور صلہ رحمی کے تقاضوں کو پورا کرنا، قطع رحمی سے اپنے آپ کو بچانا، پڑوسیوں کے ساتھ ملنا جلنا اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا، معاشرہ اور سماج میں جو بیمار ہیں ان کی تیمارداری کرنا، جو بھوکے ہیں ان کو کھانا کھلانے کا انتظام کرنا، جو اور تکالیف میں مبتلا ہیں ان کی تکلیفوں کو دور کرنے کے لیے کوشش کرنا، مطلب یہ کہ ایک معاشرے میں رہتے ہوئے ان سارے تقاضوں اور سارے حقوق کو پورا کرنے کا اہتمام کرنا، ظاہر ہے ان حقوق کو ادا کرنے میں اس کو تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں گی، مشقت بھی بڑھے گی تو ان مشقتوں کو بھی وہ خوش دلی کے ساتھ اٹھاتا ہے تو اس کا مرتبہ بڑا اونچا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کو بڑا اجر وثواب ملے گا بہ نسبت اس کے جو اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے اور کسی کے حقوق ادا نہیں کرتا۔

بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الْأَذَى

۳۹۰ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ أَبِي مُوسَى رضى الله تعالىٰ عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”لَيْسَ أَحَدٌ - أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ - أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّهُمْ لَيَدَّعُونَ لَهُ وَلَدًا، وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ“.

ایذاءرسانی کےاوپرصبر

(یعنی کوئی آدمی کسی کوتکلیف پہنچائے توجس کوتکلیف پہنچائی جارہی ہے اس کو صبر کرنا چاہیے اس کی بڑی فضیلت ہے)

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ تکلیف پہنچانے والی چیزکوسن کراس پرصبر کرنے والا اللہ سے زیادہ اورکوئی نہیں کہ دنیامیں بہت سے لوگ وہ ہیں جواللہ کے لیے اولادکو مانتے ہیں (جیسے مشرکین مکہ اللہ کے لیے فرشتوں کوبیٹیاں قراردیتے تھے یاعیسائی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کواللہ کابیٹاقراردیتے ہیں، یایہودی حضرت عزیرعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کواللہ کابیٹامانتے ہیں،حالانکہ نہ تواللہ تعالیٰ کاکوئی بیٹاہے اورنہ ہی وہ خودکسی سے پیداہواہے ﴿لَم یَلِد وَ لَم یُولَد﴾.

یہ تواللہ کی شان ہے،اللہ ان ساری چیزوں سے پاک اورمنزہ ہیں لیکن اس کے باوجود دنیامیں ایسےلوگ ہیں جواللہ تعالیٰ کے لیےاولادکو مانتے ہیں) توحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی اولادماننے کے باوجوداللہ تعالیٰ ان کوعافیت بھی دے رہے ہیں اورروزی بھی دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر تحمل اور صبر کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

تشریح: اگر آج ہمارے اور آپ کے اختیار میں روزی ہو اور کوئی آدمی ہمارے خلاف کچھ کر رہا ہو تو کیا ہم اس کا دانہ پانی بند نہیں کر دیں گے؟ کوئی بڑے سے بڑا ہو وہ بھی ایک دو دن تک تو صبر کر لے گا، پھر وہ بھی اس کو خبر دار کر دیگا، لیکن اللہ کی طرف سے موت تک برابر روزی اور عافیت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر صبر و تحمل کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟ انسان اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی کوئی چیز بند نہیں کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی شان صبر ہے۔

صَبُوْرٌ کی تشریح

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے ''صَبُوْرٌ'' بہت زیادہ صبر کرنے والا، اللہ بہت زیادہ صبر کرنے والا ہے، گویا اللہ تعالیٰ بھی اپنے خلاف جو باتیں کہی جا رہی ہے اس پر صبر کرتے ہیں، فوراً انتقام نہیں لیتے، اسی طرح ہمارے خلاف بھی کوئی بات کہی جائے تو اس پر ہمیں صبر کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ ہمیں حکم دیا گیا تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ والی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کا اہتمام کرو۔

موسیٰ علیہ السلام پر وحی

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! مخلوق کی زبان میرے بارے میں جو چاہے بولتی ہے تو اسے بند کر دے، (آج کل

ہر ایک کو اپنے متعلق یہی شکایت رہتی ہے) اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! مخلوق کی زبان کو میں نے اپنے لیے بند نہیں کیا ہے تو تمہارے لیے کہاں سے بند کروں، لوگ جو چاہتے ہیں مجھے بولتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو کوئی بھی شخص جب اپنی زبان سے اللہ کے خلاف کوئی بات نکالتا تو فوراً اس کی زبان کٹ جاتی، سڑ جاتی، اس میں بدبو پیدا ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ کچھ نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر قدرت ہونے کے باوجود انسان کی گرفت نہیں کی بلکہ اسے مہلت دی ہے۔

اس حدیث شریف سے ہمیں یہ تعلیم اور ترغیب دی جا رہی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ صبر کرتا ہے (یعنی فوراً انتقام نہیں لیتا) اس طرح انسانوں کو بھی چاہیے کہ دوسرے لوگوں کی طرف سے انہیں جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر صبر سے کام لیں۔

٣٩١ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ شَقِيقًا يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ:رضى الله عنه وعنهم قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً، كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَاللهِ، إِنَّهَا لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، قُلْتُ أَنَا: لَأَقُولَنَّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَتَيْتُهُ، وَهُوَ فِي أَصْحَابِهِ، فَسَارَرْتُهُ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ، وَغَضِبَ، حَتَّى وَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَخْبَرْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: "قَدْ أُوذِيَ مُوسَى بِأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَصَبَرَ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبئ کریم ﷺ کے پاس کچھ مال آیا تو اس کو آپ نے کچھ لوگوں میں تقسیم کر دیا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی (کہ آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی آتا تھا تو آپ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے)

آپ کی اس تقسیم پر انصار میں سے ایک آدمی (جو منافقین میں سے تھا) بولا کہ یہ ایسی تقسیم ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ملحوظ نہیں رکھی گئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ بات میں حضور ﷺ تک ضرور پہنچاؤں گا، چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے آپ تک یہ بات پہنچائی۔ یہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ کو بڑی گرانی ہوئی، مارے غم اور غصے کے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں دل میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش کے میں نے یہ بات حضور ﷺ کو نہ کہی ہوتی تو اچھا ہوتا، اس کے بعد حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں یہ کہہ کر نبیٔ کریم ﷺ نے صبر سے کام لیا (یعنی آپ ﷺ نے اس پر کوئی کاروائی نہیں کی)۔

اس کو چغلی نہیں کہیں گے

تشریح: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے محض خیر خواہی کی نیت سے آپ ﷺ کو کہا تھا لیکن جب دیکھا کہ اس کو سن کر حضور ﷺ کو تکلیف ہوئی تو ظاہر ہے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہر ایسی چیز کو جس میں حضور ﷺ کو تکلیف ہو کسی بھی طرح گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔ بعض لوگ اس حدیث پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کسی کی بات آپ ﷺ تک پہنچانا یہ چغلی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چغلی نہیں ہے اس لیے کہ چغلی میں جو بات پہنچائی جاتی ہے اس میں فتنہ وفساد کی نیت ہوتی ہے اور اگر آپ کی نیت خیر خواہی کی ہے اور کسی کی برائی مقصود نہیں ہے تو نیت کے بدل جانے کی وجہ سے وہ چغلی نہیں

رہے گی، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت پر یہ عنوان قائم کیا ہے کہ اگر کسی کی خیر خواہی کی غرض سے کوئی بات اس کے متعلق کہی گئی تو اس صورت میں اس کو چغلی نہیں کہیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضور ﷺ کے عمل پر اعتراض کرتے ہیں، جب حضور اکرم ﷺ کو یہ جملے کہنے والے موجود ہیں کہ اس عمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا ملحوظ نہیں رکھی گئی تو آج میرے اور آپ کے متعلق کوئی ایسی بات کہتا ہے تو ہم کیوں برا مانتے ہیں؟ ہماری آپ ﷺ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ اس لیے ہمیں بھی ایسی باتوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے درجات کی بلندی کی خوشخبری ہے۔

تکلیف دہ بات سن کر دل پر اثر ہونا یہ تقویٰ کے منافی نہیں ہے

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو خیر خواہی کی غرض سے وہ بات کہی جس سے آپ کے دل پر اثر ہوا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح تکلیف پہنچانے والی بات سننے سے دل پر اثر ہونا تو انسانی فطرت کا تقاضا ہے، بھائی! اللہ تعالیٰ نے آدمی کو حساس دل عطا فرمایا ہے، یہ تقویٰ، بزرگی اور نیکی کے خلاف نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو نبیٔ کریم ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر نہ ہوتا۔ شعر:

دل ہی تو ہے نہ ہے سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

بس نیک و بد لوگوں میں فرق اتنا ہے کہ نیک بندے پھر اس پر انتقامی کارروائی

نہیں کرتے، یعنی اس پر کوئی ایکشن نہیں لیتے اور دوسرے لوگ ایکشن لیتے ہیں باقی اثر ہر ایک کے دل پر ہوتا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کوئی تکلیف اگر کسی کی طرف سے آپ کو پہنچے، چاہے اپنوں کی طرف سے یا غیروں کی طرف سے تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ایسی چیزوں پر آدمی کو صبر کرنا چاہیے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو بڑا اجر و ثواب ملتا ہے، مراتب بلند ہوتے ہیں اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی شریعت کے احکام کا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا کتنا لحاظ، خیال اور پاس رکھتا ہے۔ ویسے تو ہم سب شریعت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے دعوے بہت کرتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو اپنی زندگی میں لانا ہی اصل میں پابندئ شریعت اور حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا پتہ ایسے ہی موقعوں پر چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

بَابُ إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

٣٩٢ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِدَرَجَةٍ أَفْضَلَ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ؟" قَالُوا: بَلَى، قَالَ: "صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ".

باہمی تعلقات اور رشتوں کو درست رکھنا

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبیؐ کریم ﷺ نے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ نماز، روزے اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے بھی بڑھ کر ایک عمل ہے وہ میں تمہیں نہ بتلاؤں؟ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جواب میں عرض کیا کہ ضرور بتلایئے، نبیؐ کریم ﷺ نے فرمایا باہمی تعلقات کو ٹھیک اور درست رکھنا، ایک دوسرے کے ساتھ محبت خیر خواہی اور بھلائی سے پیش آنا یہ ہے سب سے بہتر عمل اور آپس کے تعلقات کا نادرست ہونا، اس میں بگاڑ کا پیدا ہونا یہ مونڈنے والا ہے (دوسری روایت میں ہے لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَعْرَوَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈ ڈالتا ہے)۔

تشریح: باہمی تعلقات اور آپس کے رشتوں کو درست رکھنے کا مطلب آپس میں میل محبت، تعلق، ایک دوسرے کا اکرام، خیر خواہی، ایک دوسرے کے ساتھ ایثار اور قربانی سے پیش آنا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے، آپس میں ایک دوسرے کے متعلق کینہ اور بغض رکھا جائے اس سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہوئے باہمی تعلقات کو درست اور استوار رکھنا اس کو اصلاح ذات البین کہتے ہیں، اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔

باہمی تعلقات کی درستگی کا نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی بہتر ہونے کے دو مطلب

اس حدیث میں باہمی تعلقات کو درست اور استوار رکھنا نماز، روزے اور صدقے

سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے، اس کا ایک مطلب تو عام طور پر حضرات شراح یہی فرماتے ہیں کہ یہ عمل نفل نماز، روزے اور صدقہ وغیرہ سے بڑھ کر ہے نہ کہ فرض نماز، روزہ اور صدقہ سے۔

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باہمی تعلقات فرض نماز، روزہ اور صدقہ سے بھی افضل ہیں اس لیے کہ آپس کے تعلقات جب بگڑتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق دل میں عداوت، دشمنی اور مخالفت پیدا ہوتی ہے تو اس کے نتیجہ میں آپس میں دشمنی ہوتی ہے، لڑائی ہوتی ہے اور قتل وخون کی نوبت آتی ہے، ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی برائیاں کی جاتی ہیں، غیبتیں ہوتی ہیں، بہتان تراشیاں ہوتی ہیں، الغرض ایک چیز کی وجہ سے بے شمار کبائر کا ارتکاب وجود میں آتا ہے، گویا باہمی تعلقات کے بگڑنے سے بہت سارے حقوق العباد ضائع ہوجاتے ہیں جس کی بعد میں تلافی مشکل سے ہو پاتی ہے، اس کے برعکس اگر فرائض کی ادائیگی میں بھی کسی سے کوتاہی ہوئی ہے اور بعد میں اس کو اپنی کوتاہی اور کمی کا احساس ہو اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے تو چونکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے تو وہ نماز کی قضاء کرکے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرکے اپنے آپ کو اس ذمہ داری اور مسؤولیت سے بری کرسکتا ہے لیکن باہمی حقوق کے بگاڑ کے نتیجے میں جو نقصانات اٹھائے ہیں بعد میں عام طور پر ان کی تلافی نہیں ہو پاتی اس لیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے باہمی تعلقات کو فرائض صلوٰۃ اور صیام اور صدقات سے افضل قرار دیا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہاں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپس کے تعلقات

کی درستگی کو بڑی اہمیت دی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ آپس کے تعلقات درست ہوں گے تب ہی دین کے معاملات بھی درست ہوں گے، آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہوگا تو عبادت کی ادائیگی میں بھی آدمی یکسوئی کے ساتھ مشغول رہے گا، اگر آپس میں عداوتیں، اختلافات اور لڑائی جھگڑے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بھی ادا نہیں کر پائے گا، اس لیے آپس کے تعلقات کی درستگی بہت اہم ہے۔

٣٩٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ الْحُسَيْنِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم: ﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ [الأنفال: ١]، قَالَ: هَذَا تَحْرِيجٌ مِنَ اللهِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَتَّقُوا اللهَ وَأَنْ يُصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِهِمْ .

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ (جو اکابر تابعین میں سے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں) وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے (آیت کریمہ ﴿فَاتَّقُوا اللهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تقویٰ اختیار کرو اور آپس کے تعلقات کو ٹھیک اور درست کرو اس کی تفسیر اور تشریح کے طور پر) نقل کرتے ہیں کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں پر گویا پابندی عائد کی گئی اور لازم قرار دے دیا گیا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور تقویٰ اختیار کریں اور آپس کے تعلقات کو درست رکھیں۔

تشریح: اس روایت میں بھی باہمی تعلقات کو درست رکھنے والے شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے پہلی روایت میں بھی باہمی تعلقات درست کرنے

والے کی فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص جو لوگوں کی طرف سے ایذاء رسانیوں پر صبر کرے اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور لوگوں کی طرف سے پہنچائی جانے والی ایذاء رسانیوں پر صبر نہیں کرتا۔ ایک روایت اوپر بیان ہوئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ صفت بیان کی تھی لَيْسَ أَحَدٌ - أَوْ لَيْسَ شَيْءٌ - أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنَّهُمْ لَيَدَّعُونَ لَهُ وَلَدًا، وَإِنَّهُ لَيُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُم ترجمہ: جو ایذاء اللہ عزوجل کو پہنچائی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ سنتے ہیں مثلاً لوگ اللہ کے لیے بیٹا پکارتے ہیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ لوگوں کو عافیت بھی دیتا ہے اور روزی بھی دیتا ہے۔

شکل وصورت کا اختلاف یہ بھی فطری چیز ہے

﴿وَاِن مِّن شَیءٍ اِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُه﴾ ہر چیز کے اللہ کے یہاں خزانے ہیں، ان خزانوں میں سے شکل وصورت کے بھی اللہ کے یہاں خزانے ہیں اور یہ ایسے خزانے ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں، دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے اور جب تک باقی رہے گی وہاں تک جتنے بھی انسان آئیں گے ہر ایک کا چہرہ دوسرے سے الگ، ہر ایک کی آنکھیں دوسرے سے الگ، ہر ایک کی ناک دوسرے سے الگ، ہر ایک کے ہاتھ اور انگلیاں بلکہ پورے بھی الگ، سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ کسی ایک انسان کے پوروں کے نشانات بھی دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ پورا چوڑائی میں ایک انچ سے کم اور لمبائی میں ڈیڑھ انچ بھی نہیں ہے، اتنا چھوٹا سا پورا، وہ بھی کڑوروں اور اربوں آدمیوں کا ایک دوسرے سے ملتا جلتا نہیں ہے۔

طبیعتوں کا الگ الگ ہونا یہ بھی فطری چیز ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ظاہری شکل وصورت الگ بنائی ہے اسی طرح انسان کا مزاج، اور طبیعتیں بھی الگ الگ بنائی ہیں اوران طبائع کے اختلاف کی وجہ سے ہرایک کی پسند و ناپسند، ہرایک کا مزاج، ہرایک کی سوچ کا اپنا اپنا اندازاور دوسرے سے الگ مزاج ہوتا ہے، اسی کے نتیجے میں کبھی نہ چاہنے کے باوجوددوسرے کوہماری ذات سے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں طبیعتوں کا اختلاف اوراس کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف کا ہونا یہ بھی فطری چیز ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ !تم مجھ سے خوش ہوتی ہوتو مجھے پتہ چل جاتا ہےاور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہوتو بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کیسے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے کسی بات پرخوش ہوتی ہواورتم کو اس وقت کسی بات پرقسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہےتوتم یہ الفاظ کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' کہ محمد کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہواورکسی بات پرقسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہےتوتم یوں کہتی ہو ''لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ'' اے ابراہیم کے رب کی قسم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ توصرف زبان سے ناراضگی کا اظہار کرتی ہوں ورنہ دل میں توآپ کی محبت بھری ہوئی ہے۔ بلکہ تمام ازواج مطہرات کوحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جومحبت تھی

ان کی نظیر نہیں ملتی۔

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نظیر محبت تھی

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کتنی محبت تھی اس کا ایک اور واقعہ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحب زادی ہیں، صلح حدیبیہ کے بعد ایک موقع ایسا آیا تھا کہ قریش نے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی اور اس کے نتیجے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام خط بھیجا اور اطلاع دی کہ آپ لوگوں کی طرف سے صلح حدیبیہ کی شرائط کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور آپ کو اِن اِن چیزوں کا اہتمام کرنا ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح ختم ہو جائے گی، تو قریش کے بعض نادانوں نے کہہ دیا کہ ہمیں صلح ختم کرنی ہے، بعد میں قریش کو احساس ہوا اور کہا کہ نہیں، ہمیں تو صلح باقی رہنی چاہیے، اس صلح کو برقرار رکھنے کے لیے قریش نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ بھیجا، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو اپنی صاحب زادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں گئے، جب اپنی بیٹی کے حجرے میں داخل ہوئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بچھا ہوا تھا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس کیا کہ ابا اس پر بیٹھیں گے تو جلدی سے آگے بڑھیں اور بستر لپیٹ کر رکھ دیا، ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

پوچھا کہ بیٹی ایسا کیوں کیا؟ یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟ جیسا کبھی کوئی بڑا آدمی ہمارے ہاں آتا ہے اور گھر میں معمولی چیز بچھی ہوتی ہےتو ہم اس کو ہٹا دیتے ہیں، اچھی چیز بچھاتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صاف صاف جواب دیا کہ ابا! یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں، آپ اس پر نہیں بیٹھ سکتے۔

دیکھو! ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور ﷺ سے کتنی محبت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ تو حضور ﷺ کو جتنی محبت تھی ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ اتنی محبت نہیں تھی، پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے ناراض ہونا جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اے عائشہ تم جب مجھ سے خوش اور راضی ہوتی ہو تو مجھے پتہ چل جاتا ہے اور ناراض ہوتی ہو تو وہ بھی پتہ چل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح ظاہری شکلوں اور صورتوں کو الگ الگ بنایا ہے اسی طرح مزاج اور طبائع کو بھی الگ الگ بنایا ہے، ہر ایک کی پسند، سوچ، میلان الگ الگ ہوتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی نادانستہ طور پر بھی ایک آدمی کو دوسرے سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ اسی موقع پر گویا ہمیں یہ تعلیم دی گئی کہ دوسرے سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کو لیکر مت بیٹھے رہو بلکہ اس کو معاف کر دو، درگذر اور صبر وتحمل سے کام لو، اللہ تبارک وتعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا کون ہوگا، اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق کی طرف سے تکالیف پہنچتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر صبر کرتے ہیں اور ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ، اللہ تعالیٰ ان ساری چیزوں کے باوجود لوگوں کو عافیت دیتے ہیں، روزی دیتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی آپس میں اسی

طرح کا معاملہ کرنا چاہیے، کسی کی طرف سے تکلیف پہنچے تو بھی اپنے دل کو اس کی طرف سے صاف رکھنا چاہیے، اصلاح ذات البین یعنی باہمی تعلقات کی درستگی کے لیے انہی تعلیمات اور ہدایات کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو معاملہ بہت آسان ہوجاتا ہے۔

بَابُ إِذَا كَذَبْتَ لِرَجُلٍ هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ

٣٩٤ - حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ ضُبَارَةَ بْنِ مَالِكٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، أَنَّ سُفْيَانَ بْنَ أُسَيْدٍ الْحَضْرَمِيَّ رضی اللہ تعالیٰ عنه حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثًا هُوَ لَكَ مُصَدِّقٌ، وَأَنْتَ لَهُ كَاذِبٌ''.

جب تم کسی آدمی کے سامنے جھوٹ بیان کرو حال یہ کہ وہ تم کو سچا سمجھ رہا ہے

ترجمہ: حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی کو کوئی بات بیان کرو اس طور پر کہ وہ آپ کو اس بات میں سچا سمجھ رہا ہے اور آپ اس کے ساتھ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کسی جھوٹی بات کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ سامنے والا آدمی اس جھوٹی بات کو بالکل صحیح اور درست سمجھے حالانکہ کہنے والے کو خود پتہ ہے کہ سامنے والا آدمی اس کو سچا سمجھ رہا ہے اور وہ اس کے

ساتھ جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے بابوں میں آچکا کہ مطلق جھوٹ گناہ اور ممنوع ہے لیکن جھوٹ کی یہ قسم اور زیادہ خطرناک صورت حال ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں اور آپس کے تعلقات میں جو خرابیاں ہیں ان خرابیوں کے جو اسباب ہیں اس میں ایک یہ بھی ہے۔ بعض مرتبہ ایک آدمی کسی کے متعلق دوسرے کو یوں کہتا ہے کہ فلانے نے تمہارے متعلق ایسا کہا حالانکہ یہ کہنے والا جانتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کہا ہے اور یہ کہنے والا یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ میں جس کو یہ بات کہہ رہا ہوں وہ مجھ کو سچا سمجھ رہا ہے ایسا کرنا بہت بڑی خیانت ہے اور یہی چیز آپسی تعلقات کے بگاڑ کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ آپسی تعلقات کے بگاڑ کے جو اسباب ہو سکتے تھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے سے ایک اہم سبب کی طرف نشان دہی کی ہے۔

بَابُ لَا تَعِدْ أَخَاكَ شَيْئًا فَتُخْلِفَهُ

۳۹۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُحَارِبِيُّ، عَنْ لَيْثٍ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ“.

اپنے بھائی سے ایسی چیز کا وعدہ نہ کرو جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتے ہو

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جھگڑا امت کرو اور اس سے ٹھٹھا نہ کرو اور اپنے بھائی سے کوئی

ایسا وعدہ نہ کرنا جس کی تم خلاف ورزی کرنے والے ہو۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں خاص طور پر تین چیزوں سے منع کیا ہے

(۱) نمبر ایک ممارات یعنی نزاع سے منع کیا ہے، زبانی طور پر جو جھگڑا ہوتا ہے اس کو ممارات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بسا اوقات لوگوں میں کسی چیز کی خرید وفروخت یا لین دین میں اختلاف ہوجاتا ہے تو بجائے اس اختلاف کو حل کرنے کے آپس میں بحث وتکرار شروع کردیتے ہیں جو جھگڑے کا باعث بنتی ہے اس بات سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۲) نمبر دو ٹھٹھا سے منع کیا ہے، یعنی اپنے بھائی کا ایسا مذاق کرنا جو اس کی بے عزتی کا ذریعہ بنتا ہو، جس میں وہ اپنی خفت محسوس کرے۔ اور ایک ہوتا ہے مزاح، مزاح کا مقصد ہوتا ہے خوش طبعی، سامع کے دل کو خوش کرنا، اس کی اجازت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مزاح فرمایا ہے، لیکن مزاح میں اس بات کا خیال کرنا ہے کہ کوئی غلط بات زبان سے نہ کہی جائے جس سے سامنے والے کے دل کو ٹھیس پہنچے، اور وہ اپنی تحقیر اور خفت محسوس کرے۔ ہمارے یہاں جو مزاح ہوتا ہے وہ مزاح نہیں، بلکہ ٹھٹھا ہوتا ہے، یعنی اپنے بھائی کو لوگوں کے سامنے گرانا اور بے عزت کرنا مقصود ہوتا ہے اس کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں یہ تو بالکل حرام ہے، ایک مسلمان کی تحقیر کرنا یا اس کو لوگوں کے سامنے بے عزت کرنا، اس کی ہماری شریعت اجازت نہیں دیتی، یہ ساری چیزیں بھی باہمی تعلقات کے بگاڑ کا ذریعہ ہیں اسی لیے خاص طور پر یہاں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) نمبر تین ایسے وعدے سے منع کیا ہے جس کا پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو، یعنی جس وقت وعدہ کر رہے ہو اسی وقت ہمارے دل میں یہ ہے کہ یہ وعدہ ہمیں پورا نہیں کرنا ہے، اگر وعدہ کرتے وقت پورا عزم اور ارادہ ہے کہ وعدے کو پورا کروں گا اور

بعد میں حالات ایسے ہوئے کہ آپ اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے اس میں تو کوئی حرج کی بات نہیں یہ شرعاً معذوری ہے، لیکن جب وعدہ کیا جا رہا ہے اسی وقت دل میں یہ ارادہ ہے کہ خالی طفل تسلی دے دو، دل خوش کر دو کہاں اس پر عمل کرنا ہے؟ یہ چیز بھی آپس کے تعلقات کے بگاڑ کا ذریعہ بنتی ہے اسی لیے بھی خاص طور پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

بَابُ الطَّعْنِ فِي الْأَنْسَابِ

٣٩٦ - حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''شُعْبَتَانِ لَا تَتْرُكُهُمَا أُمَّتِي: النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ''.

کسی کے نسب میں عیب لگانا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں میری امت نہیں چھوڑے گی، ایک ہے نوحہ کرنا اور دوسرا ہے حسب ونسب میں طعنہ دینا۔

نوحہ کرنے کی ممانعت

تشریح: النِّيَاحَةُ، یہ غم کے اظہار کی ایک مخصوص شکل ہوتی تھی اس میں عورتیں سینہ کوبی کرتیں، اپنے رخساروں پر طمانچے مارا کرتیں اور بال نوچا کرتی تھیں اور یہ زمانہ قدیم میں باقاعدہ ایک خاص انداز میں ہوتا تھا بلکہ آج بھی دیہاتوں میں عورتیں ایک مخصوص انداز سے باقاعدہ حلقہ بنا کر گھومتی ہیں، سینہ کوٹتی اور چہرا نوچتی ہیں اس سے

منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کسی کے انتقال پر غیر اختیاری طور پر آنکھوں میں آنسو آ جائیں اور دل غمگین ہو تو اس کی اجازت ہے، حضور ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہوا تو اس وقت نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یَااِبْراهِيْمُ اِنّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ، اے ابراہیم! ہم آپ کی جدائی پر غمگین ہیں۔

دوسروں کے حسب ونسب پر طعن کرنا

دوسری چیز جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ہے خاندانی اور نسبی اعتبار سے کسی کی تحقیر کرنا، جو لوگ اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے مزاج میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ کم درجہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والوں کی تحقیر کیا کرتے ہیں، ان کو گھٹیا اور حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ حجرات میں اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّاُنثٰى وَجَعَلْنٰكُم شُعُوبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَكرَمَكُم عِندَ اللّٰهِ اَتقٰكُم اِنَّ اللّٰه عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ کہ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمہاری مختلف شاخیں اور خاندان بنائے ہیں وہ صرف آپس کے تعارف اور پہچان کے لیے ہے (یعنی سب ہی ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، بعد میں اس میں شاخیں پھیلیں ورنہ تو سب ہی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں) تم میں اللہ کی نظر میں باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہو۔ دیکھیے! جب سارے خاندان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں تو ایک دوسرے پر فوقیت کیا معنی رکھتی ہے۔ خاندان کے

ذریعہ سے بھی آپس میں امتیاز ہوتا ہے اس لیے یہ خاندان اور قبیلے رکھے گئے جیسے ایک بستی اور ایک محلہ کی وجہ سے آپس میں تعارف اور امتیاز پیدا ہوتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم﴾ اس جملے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اصول بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک تم میں باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہو اور جو جتنا زیادہ تقویٰ والا ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کے یہاں باعزت اور باکرامت ہے،کوئی شخص صرف خاندانی شرافت کی وجہ سے معزز نہیں ہوسکتا،حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ بَطَّئَ بِه عَمَلُه لَمْ يُسْرِعْ بِه نَسَبُه جس شخص کو اس کا عمل پیچھے رکھے گا اس کا گھرانا،خاندان اور نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکے گا،یعنی جو آدمی عمل کے اعتبار سے کمزور ہو اور شریعت کے احکام کا اہتمام نہ کرتا ہو چاہے وہ کتنے ہی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتا ہو اس سے وہ باعزت نہیں ہوسکتا،اصل تو اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی ان کا نسب پوچھتا تو کہتے:سَلْمَانُ اِبْنُ الْاِسْلَامِ سلمان اسلام کا بیٹا ہے یعنی باپ کا کیا پوچھتے ہو ہمارے عمل کو دیکھو۔ہاں اگر کوئی آدمی اعمال کے اعتبار سے بھی اونچے مقام پر فائز ہے اور ساتھ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نسبی شرافت بھی عطا فرما رکھی ہے تو پھر تو نور علی نور،اس لیے کہ شریعت کے یہاں عزت کے لیے جو چیز مطلوب ہے وہ چیز اس میں پائی جاتی ہے اور ساتھ میں نسبی شرافت بھی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوہری فضیلت سے اس کو نوازا ہے۔چنانچہ نبیٔ کریم ﷺ سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:اَلنَّاسُ مَعَادِنٌ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، خِيَارهم فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارهم فِي الْاِسْلَامِ،

لوگوں کا حال ایسا ہے جیسا کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، یعنی زمین کے اندر جو قدرتی دھاتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاں سونا رکھا وہاں سے سونا نکلے گا اب وہاں سے لوہا تو نکلنے والا نہیں اور جہاں لوہا رکھا ہے وہاں سے سونا نہیں نکلے گا گویا یہ چیزیں کوئی قیمتی اور کوئی کم درجے کی دھاتیں قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں رکھیں ہیں وہاں سے نکلیں گی ایسے ہی خاندانی شرافت کا بھی حال ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: خِيَارُهمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقَهُوْ، زمانۂ جاہلیت میں جو اونچے گھرانے تھے اسلام کے اندر بھی وہی اونچے سمجھے جائیں گے بشرطیکہ وہ دین کا علم اور دین کی سمجھ حاصل کرلیں، اگر یہ نہیں ہے تو پھر یہ خاندانی شرافت کسی کام کی نہیں ہے۔عرب کے اندر چونکہ خاندانی شرافت کو بہت اہمیت دی جاتی تھی اور جو اونچے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے وہ دوسرے کم درجہ کے لوگوں کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھتے تھے اس لیے قرآن اور حدیث میں اس سلسلے میں بڑی تاکید آئی ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد دوسرے روز نبیٔ کریم ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں بھی خاص طور پر اسی چیز کی طرف متوجہ کیا، زمانۂ جاہلیت میں خاندانوں پر جو فخر کیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو ختم کر دیا: اَلنَّاسُ مِنْ آدمَ وآدمُ مِنْ تراب کہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

بَابُ حُبِّ الرَّجُلِ قَوْمَهُ

٣٩٧ - حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبَّادٌ الرَّمْلِيُّ قَالَ: حَدَّثَتْنِي امْرَأَةٌ يُقَالُ لَهَا:

فُسَيْلَةُ، قَالَتْ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُعِينَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى ظُلْمٍ؟ قَالَ: ''نَعَمْ''.

آدمی کا اپنی قوم اور قبیلہ سے محبت رکھنا

ترجمہ: حضرت فُسیلہ رحمہا اللہ تعالیٰ (تابعیہ ہیں) وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انہوں نے (یعنی میرے والد نے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ عصبیت ہے کہ کوئی آدمی ظلم پر (شریعت کے خلاف) اپنی قوم کی مدد کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں!۔

تشریح: ''عصبیت'' یعنی کسی کی ناجائز طریقے سے حمایت کرنا، جس کو گروہ بندی بھی کہتے ہیں، یعنی ایک آدمی کسی کی حمایت حق کی بنیاد پر نہ کرے بلکہ صرف قوم اور خاندان ایک ہونے کی بنیاد پر ناحق اس کی مدد کرے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ آپ کا بھائی اگر حق پر ہے تو آپ اس کا تعاون کیجئے، اگر حق پر نہیں ہے یعنی غلطی پر ہے تو آپ اس کو اس غلطی سے روکئے یہی اس کا تعاون ہے، یہ نہیں کہ اس غلطی میں بلاوجہ اس کا ساتھ دیں، حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوماً، اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، پوچھنے والے نے پوچھا: اَنْصُرُه مَظْلوماً فكيف اَنْصُرُه ظالماً؟ اے اللہ کے رسول! اگر وہ مظلوم ہے تو میں اس کی مدد کروں یعنی مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی مدد کرنا سمجھ میں آنے والی بات ہے، ظالم ہے تو کیسے مدد کروں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم سے روکو۔ اگر ایک بچہ زہر کی پڑیا لیکر کھانا چاہتا ہے تو اس کی مدد یہ ہے کہ اسے زہر کھانے سے روکیں، ایک آدمی غلط کام کرتا ہے اس کو اس غلط کام کرنے

سے روکنا بھی اس کی مدد ہے، اس میں اس کی حمایت کرنا اور ساتھ دینا یہ مدد نہیں، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ جو لوگ محض خاندان کی بنیاد پر کہ فلاں آدمی میری برادری سے تعلق رکھتا ہے، فلاں آدمی میرے خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور وہ غلط ہے تو بھی آپ اس کی حمایت کریں تو یہ جائز نہیں ہے، یہ حرام ہے، یا کوئی آدمی کسی خاص پارٹی یا گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں، یا وطن کی نسبت پر اس کی حمایت کرتے ہیں مثلاً وہ سورت کا ہے، گجرات کا یا ہندوستان کا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں یا وہ آپ کے محلے کا ہے اس لیے آپ اس کی حمایت کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہے۔ محض برادری یا اپنے خاندان کی بنیاد پر غلط بات میں کسی کی حمایت کرنے پر قرآن واحادیث میں کئی جگہوں پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے آدمی کو سخت سب وشتم کرو یعنی ایسے آدمی کو گالی دینے تک کا حکم ہے۔ حدیث میں عصبیت کی بنیاد پر کسی کی حمایت کرنے کی ممانعت بہت سختی اور صراحت سے آئی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی غلط بات میں حمایت نہیں کرتا ہاں محض برادری یا اپنے خاندان کی وجہ سے اس سے جائز حد میں رہ کر محبت رکھتا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ہر آدمی کو اپنے خاندان اور اپنی برادری سے طبعی اور فطری تعلق ہوتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔

بَابُ هِجْرَةِ الرَّجُلِ

٣٩٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَوْفِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الطُّفَيْلِ،

وَهُوَ ابْنُ أَخِي عَائِشَةَ لِأُمِّهَا، أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حُدِّثَتْ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ فِي بَيْعٍ - أَوْ عَطَاءٍ - أَعْطَتْهُ عَائِشَةُ: وَاللهِ لَتَنْتَهِيَنَّ عَائِشَةُ أَوْ لَأَحْجُرَنَّ عَلَيْهَا، فَقَالَتْ: أَهُوَ قَالَ هَذَا؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَهُوَ لِلهِ نَذْرٌ أَنْ لَا أُكَلِّمَ ابْنَ الزُّبَيْرِ كَلِمَةً أَبَدًا، فَاسْتَشْفَعَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِالْمُهَاجِرِينَ حِينَ طَالَتْ هِجْرَتُهَا إِيَّاهُ، فَقَالَتْ: وَاللهِ، لَا أُشَفِّعُ فِيهِ أَحَدًا أَبَدًا، وَلَا أُحَنِّثُ نَذْرِي الَّذِي نَذَرْتُ أَبَدًا. فَلَمَّا طَالَ عَلَى ابْنِ الزُّبَيْرِ كَلَّمَ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْأَسْوَدِ بْنِ عبديَغُوثَ، وَهُمَا مِنْ بَنِي زُهْرَةَ، فَقَالَ لَهُمَا: أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ إِلَّا أَدْخَلْتُمَانِي عَلَى عَائِشَةَ، فَإِنَّهَا لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تَنْذِرَ قَطِيعَتِي، فَأَقْبَلَ بِهِ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ مُشْتَمِلَيْنِ عَلَيْهِ بِأَرْدِيَتِهِمَا، حَتَّى اسْتَأْذَنَا عَلَى عَائِشَةَ فَقَالَا: السَّلَامُ عَلَيْكِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، أَنَدْخُلُ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: ادْخُلُوا، قَالَا: كُلُّنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، ادْخُلُوا كُلُّكُمْ. وَلَا تَعْلَمُ عَائِشَةُ أَنَّ مَعَهُمَا ابْنَ الزُّبَيْرِ، فَلَمَّا دَخَلُوا دَخَلَ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي الْحِجَابِ، وَاعْتَنَقَ عَائِشَةَ وَطَفِقَ يُنَاشِدُهَا يَبْكِي، وَطَفِقَ الْمِسْوَرُ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ يُنَاشِدَانِ عَائِشَةَ إِلَّا كَلَّمَتْهُ وَقَبِلَتْ مِنْهُ، وَيَقُولَانِ: قَدْ عَلِمْتِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَمَّا قَدْ عَلِمْتِ مِنَ الْهِجْرَةِ، وَأَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. قَالَ: فَلَمَّا أَكْثَرُوا التَّذْكِيرَ وَالتَّحْرِيجَ طَفِقَتْ تُذَكِّرُهُمْ وَتَبْكِي وَتَقُولُ: إِنِّي قَدْ نَذَرْتُ وَالنَّذْرُ شَدِيدٌ، فَلَمْ يَزَالُوا بِهَا حَتَّى كَلَّمَتِ ابْنَ الزُّبَيْرِ، ثُمَّ أَعْتَقَتْ بِنَذْرِهَا أَرْبَعِينَ رَقَبَةً، ثُمَّ كَانَتْ تَذْكُرُ بَعْدَ مَا أَعْتَقَتْ أَرْبَعِينَ رَقَبَةً فَتَبْكِي حَتَّى تَبُلَّ دُمُوعُهَا خِمَارَهَا.

کسی آدمی سے قطع تعلق کرنا

ترجمہ وتشریح: حضرت عوف ابن حارث ابن طفیل رحمہ اللہ تعالیٰ (طفیل کے بیٹے حارث ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہیں، ان کے بیٹے حضرت عوف ہیں، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہوتے ہیں) وہ نقل کرتے ہیں ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی چیز کے فروخت کرنے یا کسی کو زیادہ مال بخش دینے پر یوں کہا کہ وہ جو بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر مال خرچ کرتی ہیں اس سے رک جائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگادوں گا (عربی زبان میں حجر کا معنیٰ حاکمِ وقت کی طرف سے کسی پر کسی معاملہ میں پابندی لگانا ہے) کسی نے جاکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بتادیا کہ آپ کے بھانجے آپ کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ کیا انہوں نے واقعی ایسا کہا ہے؟ تو کہا کہ ہاں بالکل کہا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بات پر قسم کھالی اور کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر نذر لازم ہے کہ میں کبھی ان سے بات نہیں کروں گی (نذر مطلق ہو تو وہ قسم کے معنیٰ میں ہوتی ہے) جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قطع تعلق کا زمانہ طویل ہو گیا تو حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرات مہاجرین کو آپ کے پاس سفارش کے لیے بھیجا تاکہ آپ بات مان جائیں اور راضی ہو جائیں، سفارش کے لیے جب لوگ گئے تو آپ نے قسم کھالی کہ اللہ کی قسم ان کے ساتھ بات کرنے کے معاملہ میں کسی کی سفارش قبول نہیں کروں گی اور میں

اپنی نذر بھی نہیں توڑوں گی۔اس زمانہ میں جو بڑے لوگ تھے ان میں حضرت مِسوَر ابن مخرمہ اور عبد الرحمٰن ابن اسود ابن عبد یغوث رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے اور ان کا تعلق قبیلۂ بنوزہرہ سے تھا (بنوزہرہ نبیٔ کریم ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا خاندان تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کے اس رشتہ کی وجہ سے یعنی حضور ﷺ کی والدہ کا خاندان ہونے کی وجہ سے ان خاندان والوں کا بڑا لحاظ کرتی تھیں) حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بات کی کہ میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہاں لیجانے کی کوئی بھی تدبیر کرو اور مجھے کسی بھی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لیجاؤ اس لیے کہ میرے نزدیک قطع تعلق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، یہ دونوں حضرات اپنی چادر اوڑھے ہوئے حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر لے گئے (اس زمانہ میں چادر اوپر پہنی جاتی تھی ان دونوں نے اپنے چادر کے بیچ میں حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لیا اور اپنی چادر اوڑھ لی اس طرح کہ حضرت عبد اللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نظر نہ آئیں اور اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچ کر سلام کیا اور داخل ہونے کی اجازت مانگی کہ ہم اندر آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ٹھیک ہے آسکتے ہیں، کہا کہ اے ام المؤمنین کیا ہم سب آسکتے ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سب آجاؤ، آپ کو معلوم نہیں تھا کہ ان لوگوں نے اپنی چادر میں ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چھپا رکھا ہے، جب اندر داخل ہوئے تو حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کے اندر چلے گئے (گھر میں ایک

پردہ تھا، پردہ کے باہر وہ دونوں حضرات بیٹھے اور حضرت عبداللہ اندر چلے گئے اس لیے کہ وہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے تھے) اور جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلے سے لپٹ گئے اور رونے لگے اور ان کو رو رو کر قسمیں دینے لگے اور مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود رضی اللہ عنہما پردے کی آڑ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قسمیں دلاتے رہے اور درخواست کرتے رہے کہ ان کا عذر قبول کرلیں، ان کو معاف کردیں، ان سے بات کرلیں اور کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قطع تعلق سے منع کیا ہے کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے یہ تو آپ کے بھانجے ہیں۔ جب انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بہت زیادہ اصرار کیا اور تاکید کی اور قطع تعلق کی وعید ذکر کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ان دونوں حضرات کو نصیحتیں کرنے لگیں، رونے لگیں اور کہنے لگیں کہ میں نے تو قسم کھالی ہے اور قسم کا معاملہ بڑا سخت ہے (میری قسم کیسے توڑی جائے؟) لیکن یہ دونوں حضرات برابر لگے رہے اور تاکید کرتے رہے اور سمجھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مان لیا اور حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بات کرلی اور اپنی قسم کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے اور بعد میں بھی وہ اپنی اس قسم کو یاد کرتی تھیں کہ مجھے اپنی یہ قسم توڑنی پڑی اور اس کو یاد کرکے بہت روتی تھیں اتنا روتی تھیں کہ اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اوڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی (وہ حضرات قسم کے معاملہ میں بہت ڈرتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گویا یہ سوچتی تھیں کہ میں نے ایک چیز کی نذر مانی اور قسم کھائی، پھر میں نے اس کو توڑا حالانکہ اس قسم کو توڑنے کی

تلافی میں چالیس غلام بھی آزاد کئے، پھر بھی یہ واقعہ جب یاد آتا تھا تو روتی تھیں)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت کا واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں سخاوت بہت تھی، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد (نبیٔ کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ، ام المؤمنین اور آپ کے حضور ﷺ کی محبت اور تعلق کی وجہ سے) حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ آپ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے تھے، خلفائے راشدین اور صاحب حیثیت صحابہ آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بڑی بڑی رقمیں بھیجا کرتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عادت یہ تھی کہ وہ فوراً خرچ کر دیتی تھیں اور اپنے لیے کچھ نہیں رکھتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے آپ کی خدمت میں بہت بڑی رقم بھیجی تو صبح سے شام تک بیٹھ کر تقسیم کرتی رہیں اور ساری رقم تقسیم ہوگئی یہاں تک کہ عصر کا وقت آیا تو آپ کی باندی نے کہا کہ آج آپ کا روزہ ہے، روزہ افطار کرنے کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اگر ایک دو درہم باقی ہوں تو ان سے افطاری کا کچھ انتظام کروں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی بندی! پہلے یاد دلاتی اب تو سارے درہم تقسیم ہو گئے، یعنی ان کو یہ بھی یاد نہیں رہا کہ گھر میں افطار کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھانجے ہوتے ہیں اور آپ ان سے بڑی محبت فرماتی تھیں، حضرت عائشہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ سب کی کنیتیں ہیں میری کنیت کیوں نہیں؟ (کنیت کا مطلب ہے باپ یا ماں کی پہچان اولاد کی طرف نسبت کرتے ہوئے کرنا جیسا کہ فلاں کا باپ، یا فلاں کی ماں، عورت کو ام فلاں، باپ کو ابو فلاں کہتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی اولاد تو تھی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی کنیت ام عبداللہ رکھو اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے بڑی محبت کرتی تھیں اور بیٹے کی طرح رکھتی تھیں اس لیے ان کی کنیت بھی نبیٔ کریم ﷺ نے ام عبداللہ رکھی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بڑے ہدایہ بھیجا کرتے، تاکہ آپ خود استعمال کریں، ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کوئی بڑی رقم آئی تھی آپ نے اس کو خرچ کر دیا، جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کو معلوم ہوا تو ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس طرح رقم لوگوں کو ہدیہ کر دینا ناگوار ہوا اور ان کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ میں ان پر پابندی لگا دوں گا۔

باب کا مقصد

بلا وجہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی، ہاں اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی، یا آپ کے ساتھ ناروا سلوک کیا تو ایک آدمی کی فطرت اور مزاج ہے کہ جب کسی سے تکلیف پہنچتی ہے تو طبیعت اس سے ہٹ جاتی ہے تو شریعت نے آدمی کے اس فطری تقاضے کی رعایت کی ہے، شریعت فطری احساسات

اور تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتی بلکہ اس کا لحاظ کرکھتی ہے، چنانچہ کوئی آپ کو ستائے، تکلیف پہنچائے، برا بھلا کہے تو فطری طور پر آپ کو تکلیف ہوگی، اس تکلیف کی وجہ سے ایک دو دن اس سے ناراض ہو اور بات نہ کرے تو اجازت ہے لیکن تین دن سے زائد یہ معاملہ نہیں جانا چاہیے، اگر کوئی آدمی کسی شرعی وجہ سے کسی سے تعلق قطع کرے، یعنی وہ آدمی جس سے تعلق قطع کیا ہے وہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہے اور منع کرنے پر بھی وہ باز نہیں آتا، یا اس نے کوئی ایسا کام کیا جو شریعت کے خلاف ہے اس کی وجہ سے اس نے اس سے قطع تعلق کیا ہے، بیٹا نماز نہیں پڑھتا اس لیے باپ نے اس کے ساتھ بات کرنا چھوڑ دیا اس کی اجازت ہے کہ تم نماز پڑھو تو تمہارے ساتھ بات کروں گا ورنہ میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں ایسا کر سکتے ہیں۔

بَابُ هِجْرَةِ الْمُسْلِمِ

۳۹۹ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ".

کسی مسلمان کے ساتھ قطع تعلق کرنا

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا آپس میں بغض وعداوت اور دشمنی نہ رکھو اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھلاؤ، اے اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو، کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی

کے ساتھ تین راتوں سے زیادہ کے لیے قطع تعلق کرے۔

دو طرح کی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہت سی نعمتیں تو ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دے رکھی ہیں، مثلاً جسم، آنکھیں، کان، زبان، ناک، ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء، تقریباً ہر ایک اس سے مالا مال ہے اور ہر ایک ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی بعض ظاہری اور باطنی نعمتیں ایسی بھی ہیں جو کسی کو ملی ہیں کسی کو نہیں، کسی کو زیادہ تو کسی کو کم، ظاہری نعمتوں میں مال، عہدہ اور منصب وغیرہ ہیں اور باطنی نعمتوں میں علم، صلاح، تقویٰ، جمال اور خوبصورتی وغیرہ ہیں، یہ ساری نعمتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے اکثر کے حاصل ہونے میں بندے کی سعی، محنت اور کوشش کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطاء، بخشش اور دین ہے ﴿ذٰلِكَ فَضلُ اللّٰهِ يُؤتِيهِ مَن يَّشَآءُ وَ اللّٰه ذُو الفَضلِ العَظِيمِ﴾ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، وہ مالک ہے۔

نعمت ملنے اور نہ ملنے دونوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں

جس طرح کسی کو نعمت عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں اسی طرح ان نعمتوں میں سے کوئی نعمت نہ دینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں، ایسا تو ہے نہیں کہ اس کو اگر دیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے خزانے نعوذ باللہ کم ہو جاتے یا اللہ کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ سب آدمیوں کو دے سکے، اللہ تعالیٰ کے خزانے تو بھرے ہوئے ہیں، اگر ساری دنیا کے انسانوں کو سب کچھ دے ڈالے تب بھی اس کے خزانوں میں کمی

آنے والی نہیں ہے، بلکہ کسی انسان کی بھلائی بعض مرتبہ اسی میں ہوتی ہے کہ اس کو کوئی نعمت نہ دی جائے، کبھی ایک آدمی کو مال ملتا ہے تو ہوسکتا ہے اس مال کے نتیجے میں کچھ ایسی حرکتیں کرڈالے جس کی وجہ سے خود اسی پر مصیبتیں آجائیں اور یہ مال بجائے نعمت کے زحمت بن جائے اور یہ اس انسان کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

حسد کی عام فہم تعریف

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ایک بندے کو ایک چیز عطاء فرمائی اور وہ آپ کے پاس نہیں ہے تو آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اس کو وہ نعمت کیوں ملی؟ کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت کی وجہ سے دل میں جلن اور رقابت کا پیدا ہونا اور یہ سوچنا کہ یہ نعمت اس کے پاس سے چھن جائے اسی کو حسد سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہے جیسا کہ قرآن پاک میں واضح ارشاد ہے ﴿اَم یَحسُدُونَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰھُمُ اللہُ مِن فَضلِہٖ﴾ کیا وہ لوگوں سے اس بات کی وجہ سے حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے؟۔ دینے والی ذات اللہ کی ہے، وہ مختار ہے، جس طرح چاہے، جس کو چاہے، جتنا چاہے عطا کردے اس میں ہمارے اختیار کو کیا دخل؟ ﴿وَ لَا تَتَمَنَّوا مَا فَضَّلَ اللہُ بِہٖ بَعضَکُم عَلٰی بَعضٍ﴾ اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر۔

ہمارے کئی غلام اور نوکر ہوں اب ہم کسی کو کچھ دیں تو دوسرا یوں کہے کہ اس کو کیوں دیا؟ تو آپ اس خیال کو اور اس کے اس جذبے کو برداشت کریں گے؟ نہیں، آپ ناراض ہوجائیں گے اور کہیں گے کہ بھائی! میری چیز ہے جس کو چاہوں دوں

تمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

حسد کا مہلک پن

حسد بڑا خطرناک گناہ ہے حدیث میں آتا ہے اِیّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَناتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ، اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے، اس لیے کہ حسد کے نتیجے میں اس طرح کی چیزیں پیش آتی ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

یہ حسد نہیں ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آ گیا اس طرح کا خیال آنے میں آدمی کے اپنے ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا اس لیے وہ حسد میں داخل نہیں ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، اب اس کی وجہ سے طبیعت پر جو بوجھ پڑتا ہے تو اس بوجھ کو دور کیا جائے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے، اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا جائے، اور اس کے لیے دعائے خیر کرتا رہے اور اس سے سلام میں پہل کرتا رہے اور اس سے ملاقات کرتا رہے تو یہ جذبہ بھی دل سے ختم ہو جائے گا۔

ہاں مؤاخذہ اس وقت ہوگا کہ جب ان خیالات پر عمل کرے گا اور اس کو گھٹانے کے لیے، لوگوں میں اس کی وقعت کم کرنے کے لیے کوشش کرے گا، اس کی غیبت کرے گا، اس پر تہمتیں لگائے گا، اس کو بدنام کرے گا، ان ساری چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے تو ایک بھائی جس طرح دوسرے بھائی کے ساتھ رہتا ہے، اس کی بھلائی چاہتا ہے، اس کی ترقی کا خواہاں ہوتا ہے، اس کی ترقی کے لیے سعی کرتا ہے تم بھی کرو۔

قطع تعلق کی حد

ایک مسلمان بھائی کے لیے اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق درست نہیں، تین دن یا اس سے کم کی اجازت دی گئی وہ بھی انسانی جذبات کا خیال رکھتے ہوئے، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے کی طرف سے کوئی ناروا اور نامناسب سلوک ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے، کوئی ہمیں تکلیف پہنچاتا ہے اس تکلیف پہنچانے کی وجہ سے ہمارا دل بھر آتا ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ بات نہ کریں تو شریعت نے آدمی کے ان طبعی جذبات کی بھی رعایت کی کہ ٹھیک ہے لیکن یہ کیفیت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہنی چاہیے، ایک دو دن، تین دن میں یہ کیفیت ختم ہو جانی چاہیے، ہاں اگر یہ چیز اللہ کے واسطے ہے اور اپنی ذات کے لیے نہیں یعنی کوئی ایسا آدمی ہے جو دین کو نقصان پہنچا رہا ہے اور باوجود اس کو سمجھانے اور کوشش کرنے کے وہ اپنی اس حرکت سے باز نہیں آتا اس لیے کوئی آدمی اس سے قطع تعلق کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے، تین دن سے زیادہ بھی، بلکہ پوری زندگی بھی اگر اس سے قطع تعلق کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن یہ کہ کونسا قطعِ تعلق اللہ کے واسطے ہے؟ کونسا اپنے نفس کے لیے ہے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حسد اور قطع تعلق سے اپنے آپ کو دور رکھو، حسد اور قطع تعلق تک

پہنچانے والے اسباب سے بھی دور رکھو، اس لیے کہ اسی کے نتیجے میں بغض، عداوت اور دشمنی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

٤٠٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ ثُمَّ الْجُنْدَعِيِّ، أَنَّ أَبَا أَيُّوبَ صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هَذَا وَيَصُدُّ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ.

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے (یعنی اس سے قطع تعلق کرے) یہ دونوں ایک دوسرے سے ایسے ملتے ہیں کہ یہ اس سے منھ موڑتا ہے اور وہ اس سے منھ موڑتا ہے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں ابتداء کرے اور جو سلام میں ابتداء کرے گا وہ گویا سبقت لے گیا اور وہ دونوں میں بہتر ہے۔

تشریح: راویٔ حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم ﷺ کے صحابی اور آپ کے میزبان ہیں، جب حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو جب تک آپ نے اپنی ازواج مطہرات کے لیے حجرے نہیں بنائے تھے تب تک آپ نے ان کے مکان میں قیام کیا، آپ انھی کے مہمان رہے ہیں، یہ حضور ﷺ کے میزبان ہیں۔

٤٠١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا سُهَيْلٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا''.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بغض، عداوت، دشمنی اور بیر نہ رکھواور آپس میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرواوراے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کررہو۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں دوری کے جواسباب ہیں یعنی بغض، عداوت وغیرہ سے بھی اپنے آپ کو دور رکھواور دنیوی معاملات میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو مثلاً اپنا بھائی مال دار ہے تو میں مال میں اس سے بڑھ جاؤں، یہ اس لیے منع کیا گیا کہ اسی کے نتیجے میں پھر آپس میں دشمنی اور حسد جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور یہی چیز آگے جاکر آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے کہا کہ اس طرح دنیوی امور میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو۔

٤٠٢ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مَا تَوَادَّ اثْنَانِ فِي اللهِ جَلَّ وَعَزَّ أَوْ فِي الْإِسْلَامِ، فَيُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِذَنْبٍ يُحْدِثُهُ أَحَدُهُمَا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اللہ کی خاطر یا مسلمان ہوتے ہوئے اسلام میں دو آدمی جب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہیں تو پھر ان دونوں کے درمیان پہلا قصور جدائی کرنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

تشریح: اگر آپس میں اللہ کے واسطے تعلق قائم کیا ہے تو اس صورت میں اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے کوئی ایسی بات گناہ کی، اللہ کی نافرمانی کی پیدا ہوگئی

تومحض ایک بات کی وجہ سے اس کے ساتھ قطع تعلق نہ کرے بلکہ اس کوتنبیہ کرے اور اپنے تعلق کو باقی رکھے، ہاں اگر وہ بار بار اس کا ارتکاب کرتا ہے اور اصلاح کی کوشش کے باوجود بھی باز نہیں آتا اس صورت میں اگر اس کوتنبیہ کے لیے تعلق قطع کرے تو اس کی اجازت ہے۔

٤٠٣ - حَدَّثَنَا أَبُومَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ قَالَ: قَالَتْ مُعَاذَةَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ، ابْنَ عَمِّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، وَكَانَ قُتِلَ أَبُوهُ يَوْمَ أُحُدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُصَارِمَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلَى صِرَامِهِمَا، وَإِنَّ أَوَّلَهُمَا فَيْئًا يَكُونُ كَفَّارَةً عَنْهُ سَبْقُهُ بِالْفَيْءِ، وَإِنْ مَاتَا عَلَى صِرَامِهِمَا لَمْ يَدْخُلَا الْجَنَّةَ جَمِيعًا أَبَدًا، وَإِنْ سَلَّمَ عَلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَقْبَلَ تَسْلِيمَهُ وَسَلَامَهُ، رَدَّ عَلَيْهِ الْمَلَكُ، وَرَدَّ عَلَى الْآخَرِ الشَّيْطَانُ".

ترجمہ: حضرت ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما جوحضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں اوران کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا کہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے(تین دن یااس سے کم کی اجازت ہے وہ بھی ضرورت کے موقع پر، بلاوجہ نہیں) جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق توڑے ہوئے ہیں وہ گویاحق سے ہٹے ہوئے ہیں اورحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگراسی حالت میں یعنی قطع تعلقی کی حالت میں اگران کا انتقال ہواتوان دونوں میں سے کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا(اتنی سخت وعید ہے)اوراگر یہ تعلق توڑے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے کوسلام کیااوردوسرے

نے اس کا سلام قبول کرنے سے انکار کیا یعنی سلام کا جواب نہیں دیا تو فرشتہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور دوسرے کو شیطان جواب دیتا ہے۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کبھی آپس میں ایک دوسرے سے دوری ہوگئی تو ہر ایک کو چاہیے کہ وہ جلدی سے تعلقات کو درست کرنے کا اہتمام کرے اور جو ابتداء کرے گا وہ سبقت لے گیا اور اس کا ابتداء کرنا اس کے گناہ کے لیے کفارہ ہو جائے گا۔

جب تک آپس کا تعلق دونوں کا درست نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں، اور ان میں جو سب سے پہلے اپنے تعلق کو جوڑنے کی ابتداء کرے گا تو گویا اس کا تعلق کو جوڑنے میں سبقت کرنا اس کے اس گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا یعنی جو تعلق توڑا تھا اور تعلق توڑنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا تھا یہ جب تعلق کو قائم کرنے میں اپنی طرف سے یہ ابتداء کرنا اس کے گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا، گویا اس کے اس عمل کی وجہ سے وہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف کردیں گے۔

٤٠٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰه عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ"، قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً قُلْتِ: بَلَى، وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً قُلْتِ: لَا، وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ"، قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ، لَسْتُ أُهَاجِرُ إِلَّا اسْمَكَ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہاری ناراضگی اور تمہاری رضامندی دونوں کو خوب اچھی طرح جان لیتا ہوں (یعنی تم مجھ سے خوش ہو وہ بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے اور تم ناراض ہوتی ہو وہ بھی میں سمجھ لیتا ہوں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیسے آپ کو پتہ چل جاتا ہے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردگار کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم کہتی ہو ابراہیم کے پروردگار کی قسم (یعنی تم میرا نام نہیں لیتیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں (یعنی زبان پر نام نہیں لاتی ورنہ دل میں تو آپ سے محبت ہے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتخاب اس لیے کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء میں سب سے زیادہ انہی سے مشابہ ہیں تو گویا آپ کا نام نہ لینے میں بھی حضور ہی کے تعلق کو دخل ہے۔

قریبی آدمی سے ناراضگی کے لیے ضروری نہیں کہ اس سے سلام کلام اور بات چیت چھوڑ دے لیکن پہلے جس خندہ پیشانی سے پیش آتا تھا اس خندہ پیشانی سے پیش نہیں آتا ہے، پہلے محبت کا جو تعلق ہوتا تھا، تنبیہ کے لیے اس میں ذرا کمی کر دی جاتی ہے۔ اگر ضرورت کی وجہ سے اس کو اختیار کیا ہے تو اس کی گنجائش ہے گویا یہ بھی ترک تعلق کی ایک قسم ہے۔

بَابُ مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً

٤٠٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَيْوَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عُثْمَانَ الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ أَبِي أَنَسٍ حَدَّثَهُ، عَنْ أَبِي خِرَاشٍ السُّلَمِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ''مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً، فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ''.

کسی کا اپنے مسلمان بھائی سے سال بھر قطع تعلق کرنا

(یہ کتنا بڑا گناہ ہے)

ترجمہ: حضرت ابی خراش اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کو ایک سال کے لیے چھوڑ دے (یعنی اس کے ساتھ ایک سال کے لیے تعلق ختم کر دے یا قطع تعلق کرے) وہ ایسا ہے کہ اس نے اس کا خون بہایا۔

تشریح: ایک مسلمان کو قتل کرنے کا گناہ جتنا بڑا ہے ایک سال تک اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ قطع تعلق کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، یہ وعید تو ایک عام مسلمان بھائی کے ساتھ قطع تعلق کی ہے، جو لوگ اپنے حقیقی بھائی، اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ سال سال تو کیا پوری زندگی تعلق نہیں رکھتے اندازہ لگائیے اس کا کتنا بڑا گناہ ہوگا؟

٤٠٦ - حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ، أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ أَبِي أَنَسٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''هِجْرَةُ الْمُسْلِمِ سَنَةً كَدَمِهِ''،

وَفِي الْمَجْلِسِ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، وَعَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي عَتَّابٍ، فَقَالَا: قَدْ سَمِعْنَا هَذَا عَنْهُ .

ترجمہ: حضرت عمران ابن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبئ کریم ﷺ کے ایک صحابی جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے ہیں، سنا ہے کہ نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مسلمان کے ساتھ سال بھر تک کے لیے تعلق ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے اس کو قتل کرنا۔ اور اس مجلس میں محمد بن منکدر اور عبداللہ بن ابی عتاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے انہوں نے بھی فرمایا کہ ہم نے بھی قبیلۂ اسلم کے شخص سے اسی طرح سنا ہے۔

تشریح: مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اسی طرح اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال کے لیے قطع تعلق کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے، اس کو گناہ بےلذت سمجھ لیجیے، یعنی اس سے نہ تو کسی کا دنیا کا کوئی فائدہ اور نہ ہی آخرت کا، اس لیے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے بچانے کا اہتمام کیا جائے، اگر اپنے بھائی سے قطع تعلق ہوگیا ہے تو اس کے ساتھ سلام وکلام کا سلسلہ شروع کردیا جائے تو اس کی برکت سے قطع تعلق ختم ہوجائے گا۔

بَابُ الْمُهْتَجِرَيْنِ

٤٠٧ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رضى الله تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ".

دو مسلمان بھائیوں کا ایک دوسرے سے قطع تعلق کرنا (اس کا گناہ)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لیے ترک تعلق کرے، دونوں آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح ملتے ہیں کہ یہ اس سے منھ موڑے ہوئے ہے اور وہ اس سے منھ موڑے ہوئے ہے (معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے تعلق قطع کئے ہوئے ہیں یہ وعید ان دونوں کے لیے ہے) ان میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بھائی اپنے دوسرے ناراض بھائی سے تعلق جوڑنا چاہتا ہے یعنی ایک بھائی تو باقاعدہ اپنے دوسرے ناراض بھائی کو سلام کلام کرتا ہے وہ اس وعید کا حق دار نہیں ہوگا لیکن دوسرا بھائی اس کا جواب نہیں دیتا وہ اس وعید کا حق دار ہوگا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قطع کئے ہوئے ہیں تو دونوں کے لیے یہ وعید ذکر کی گئی ہے۔

٤٠٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُعَاذَةَ، أَنَّهَا سَمِعَتْ هِشَامَ بْنَ عَامِرٍرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُصَارِمَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنَّهُمَا مَا صَارَمَا فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَإِنَّهُمَا نَاكِبَانِ عَنِ الْحَقِّ مَا دَامَا عَلَى صِرَامِهِمَا، وَإِنَّ أَوَّلَهُمَا فَيْئًا يَكُونُ كَفَّارَةً له سَبْقُهُ بِالْفَيْءِ، وَإِنْ هما مَاتَا عَلَى صِرَامِهِمَا لَمْ يَدْخُلَا الْجَنَّةَ جَمِيعًا.

ترجمہ: ہشام ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے اس لیے کہ جب تک آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق توڑے ہوئے ہیں وہ گویا راہ حق سے اور ہدایت کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں جب تک وہ اس قطع تعلق پر جمے رہیں گے، (بہت سارے لوگ اپنی ضد کی وجہ سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتے ہیں اس کے باوجود یوں سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں) اور ان میں سے جو تعلقات کو استوار کرنے میں ابتداء کرے گا اور اپنی اس حرکت سے باز آئے گا تو اس کا اپنے بھائی کے ساتھ ٹوٹے ہوئے تعلق کو جوڑنے میں سبقت کرنا اور پہل کرنا یہ اس کے گناہ کے لیے کفارہ بن جائے گا (یعنی اس کا گناہ اس عمل کی وجہ سے معاف ہو جائے گا) اور اگر اسی قطع تعلقی کی حالت میں ان کی موت واقع ہو گئی تو دونوں جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

بَابُ الشَّحْنَاءِ

٤٠٩ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَّامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا“.

کسی کے متعلق دل میں بیر رکھنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بیر نہ رکھو، دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو۔

تشریح: کسی کے متعلق عداوت رکھنا جس کو کینہ کہتے ہیں، یہ دل کی ایک بیماری ہے اس سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آیا ہوتو ظاہری طور پر ایک دو دن کے واسطے قطع تعلق کیا تو کوئی حرج کی بات نہیں لیکن دل میں اس کے متعلق میل نہیں ہونا چاہیے۔

٤١٠ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے یہاں لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جو دورُخ والا ہے کہ ایک سے ملتا ہے تو ایک رخ سے ملتا ہے یعنی ایک طرح کی بات کرتا ہے اور دوسرے سے ملتا ہے تو دوسرے رخ سے ملتا ہے۔

تشریح: دورخا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اگر زید سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور عمر سے ملتا ہے تو کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں اور دونوں میں لگائی بجھائی کا کام کرتا رہتا ہے تو ایسا دورخا آدمی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا خطرناک سمجھا جاتا ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا حق دار بنے گا۔

٤١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ

أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا''۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم بدگمانی سے بچو، بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے (یعنی آدمی ایک جھوٹ اپنے بھائی کے متعلق سوچ لیتا ہے اسی کو بدگمانی سے تعبیر کیا گیا ہے) اور کسی چیز کے خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو اس پر بھاؤ مت بڑھاؤ (مثلاً بولی بولی جارہی ہے، کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے نیلام ہو رہا ہے اب ایک آدمی کا خریدنے کا ارادہ نہیں ہے اس کے باوجود وہ بھاؤ بڑھا رہا ہے تا کہ دوسرے لوگ زیادہ بھاؤ سے خریدیں اسے عربی میں نجش کہتے ہیں اور یہ بغض اور عداوت کے اسباب میں سے ہے اس لیے اس سے منع کیا گیا) آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے ساتھ بیر نہ رکھو، ایک دوسرے کے ساتھ دنیاوی چیزوں میں مقابلہ نہ کرو، ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھلاؤ اور اے اللہ کے بندو! بھائی بن کے رہو۔

تشریح: اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپس میں بیر رکھنے سے منع فرمایا ہے، آپس کی عداوت اور دشمنی کے جو اسباب ہو سکتے ہیں ان سے اپنے آپ کو دور رکھنے کا اہتمام کیا جائے، دل کو ہر مسلمان بھائی کی طرف سے پاک رکھنا، میل سے صاف رکھنا یہ بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا قیمتی عمل ہے اس پر جنت کا وعدہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں ان کو ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی: يَابُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غَشٌّ بِأَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ يَابُنَيَّ اِنَّ ذٰلِكَ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحِبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم سے یہ ہوسکتا ہے کہ صبح یا شام ایسی حالت میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے

متعلق میل نہیں ہے تو ایسا ضرور کرو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ: اے میرے پیارے بیٹے! یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے محبت رکھے گا گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اچھا گمان رکھنا یہ کتنا اونچا عمل ہے اور یہ بہت آسان اور سستا ہے لیکن لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، اپنے قلب کو ہر ایک کی طرف سے پاک اور صاف رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

٤١٢ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هَذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا".

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، ہر وہ اللہ کا بندہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کی مغفرت کی جاتی ہے، البتہ جو آدمی ایسا ہے کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ ہے (عداوت، بیر اور دشمنی ہے تو باری تعالیٰ کی طرف ایسے دو آدمیوں کا معاملہ جب پیش کیا جاتا ہے) تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو یہاں تک کہ صلح کرلیں (گویا جب تک صلح نہ کرلیں وہاں تک ان کے لیے مغفرت کا فیصلہ نہیں ہوتا، کتنا خطرناک گناہ ہوا کہ آدمی کی مغفرت اس کی وجہ سے رک جاتی ہے)۔

٤١٣ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو إِدْرِيسَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الدَّرْدَاءِ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم يَقُولُ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّيَامِ؟ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، أَلَا وَإِنَّ الْبُغْضَةَ هِيَ الْحَالِقَةُ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، دوسری روایتوں میں خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے) میں تمہارے لیے صدقہ اور روزے سے بھی بڑھ کر عمل بتلاؤں؟ (یعنی ایسا عمل جس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں صدقہ کرنے اور روزہ رکھنے سے بھی زیادہ ہے) وہ ہے آپس میں تعلقات کو ٹھیک رکھنا (آپس کے تعلقات کو درست رکھنے کا اہتمام کرنا) آپس کی عداوت یہ مونڈنے والی ہے۔

تشریح: آپس کی عداوت کے نتیجے میں آدمی کا دین برباد ہو جاتا ہے اور ساری نیکیاں رخصت ہو جاتی ہیں، روایت میں ہے کہ لَاْ اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈ دیتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

٤١٤ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ، عَنْ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي فَزَارَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ يَكُنَّ فِيهِ، غُفِرَ لَهُ مَا سِوَاهُ لِمَنْ شَاءَ، مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، وَلَمْ يَكُنْ سَاحِرًا يَتَّبِعُ السَّحَرَةَ، وَلَمْ يَحْقِدْ عَلَى أَخِيهِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل

کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین برائیاں ایسی ہیں کہ اگر کسی کے اندران تینوں میں سے کوئی برائی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ان تینوں کے علاوہ گناہوں میں جس کو چاہتے ہیں معاف کردیتے ہیں، اگرکوئی ایسی حالت میں دنیا سے گیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہیں ٹھہراتا، دوسرا وہ آدمی جو جادوگر نہیں تھا کہ جادوگروں کی پیروی کرتا یعنی انہی کے ساتھ رہتا (گویا سحر اور جادو سے اپنے آپ کو بچاتا رہا) اور تیسرا وہ شخص جو اپنے بھائی کے متعلق دل میں کینہ نہیں رکھتا۔

تشریح: اگرکسی کی زندگی میں مذکورہ تین گناہوں میں سے کوئی نہیں ہے اور ایسی حالت میں اگر اس کی موت آئی تو اللہ تعالیٰ اس کے باقی تمام گناہوں کو معاف کردیں گے۔

باب کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے قلب و دل کو اس طرح کی گندگیوں سے پاک رکھے، خاص کر کے اپنے مسلمان بھائی کے متعلق دل میں میل نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔

بَابُ إِنَّ السَّلَامَ يُجْزِئُ مِنَ الصَّرْمِ

٤١٥ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ هِلَالِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ مَوْلَى ابْنِ كَعْبٍ الْمَذْحِجِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَإِذَا مَرَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ، وَإِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَرِئَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْهِجْرَةِ“.

آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرنا ٹوٹے ہوئے تعلقات کو جوڑنے کا ذریعہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلقات توڑے رکھے، جب تین دن پورے ہو جائیں تو باقاعدہ اس سے ملاقات کر کے اس کو سلام کرے، اب اگر اس نے یعنی سامنے والے نے سلام کا جواب دے دیا تو ثواب میں دونوں شریک رہیں گے (اور تعلقات قطع کرنے والا جو گناہ تھا اس سے دونوں نکل آئیں گے) اگر سامنے والے نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تو جس نے سلام کیا ہے وہ قطع تعلقی کے گناہ سے بری ہو جائے گا (البتہ سامنے والا جس نے جواب نہیں دیا وہ ابھی اس گناہ میں مبتلا ہے)۔

بَابُ التَّفْرِقَةِ بَيْنَ الْأَحْدَاثِ

٤١٦ - حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَغْرَاءَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُبَشِّرٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم، كَانَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ يَقُولُ لِبَنِيهِ: إِذَا أَصْبَحْتُمْ فَتَبَدَّدُوا، وَلَا تَجْتَمِعُوا فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ، فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَقَاطَعُوا، أَوْ يَكُونَ بَيْنَكُمْ شَرٌّ.

نوعمروں کے درمیان جدائی کر دینا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ صبح ہونے پر اپنے صاحب زادوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ سب الگ الگ رہو (یعنی اپنے اپنے کام میں الگ الگ چلے جاؤ، ایک گھر میں جمع مت ہونا) مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ایک گھر میں جمع رہو گے تو وہ جھگڑے اور قطع تعلق کا ذریعہ بنے گا یا تمہارے درمیان کوئی برائی پیدا ہو جائے گی۔

تشریح: نوجوانوں کے جذبات جوان العمری کی وجہ سے گرم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے ان کے درمیان جھگڑے، قطع تعلق کی نوبت آنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے بڑوں کو ان کی تربیت کرنی چاہیے اور ان کو یہ ہدایت دینی چاہیے کہ زیادہ آپس میں میل جول نہ رکھو، اپنے اپنے کام میں لگے رہو اس لیے کہ اگر میل جول رکھیں گے اور آپس میں بات چیت کریں گے تو اس کے نتیجے میں بحث و تکرار کی نوبت آئے گی، جھگڑا ہو گا اور تعلقات ٹوٹیں گے، اس لیے ہر نوجوان کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ صبح ہوتے ہی اپنے اپنے کام میں لگ جائے تاکہ لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہ آئے۔

ہاں جب شام کو واپس اپنے گھر تھکے ہوئے آئیں گے تو ہر ایک کو آرام کا تقاضا ہو گا تو تھوڑی دیر آپس میں ضروری گفتگو ہو گی اور کچھ کھا پی کر ہر ایک سونے کی فکر کرے گا اس لیے شام کے وقت جھگڑے کی نوبت آنے کے امکانات کم ہوں گے۔

بڑوں کو اپنے چھوٹوں کی تربیت کرنی چاہیے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کو بھی اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ چھوٹوں کے درمیان تعلقات کے ٹوٹنے کے جو اسباب اور وجوہات ہیں انہیں ان کا سد باب کرنا چاہیے۔ اسی لیے کبھی بڑے اپنے چھوٹوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کا تعلق

کسی ایسے ہم عمر کے ساتھ ہے جو کسی بڑے گناہ کا ذریعہ بن سکتا ہے، اس لیے بڑے اس تعلق سے روک دیتے ہیں کہ بھائی! فلاں کے ساتھ تعلق مت رکھنا۔

چھوٹوں کا بڑوں کی نصیحت کو ماننا

چھوٹوں کی خدمت میں بھی درخواست ہے کہ جب بڑے کسی تعلق سے ہمیں روکیں تو ہمیں فوراً اس سے رک جانا چاہیے، چاہے ہمیں اس کے روکنے کی کوئی بھی وجہ سمجھ میں نہ آتی ہو۔ ایسے موقع پر چھوٹوں کو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ہمارے پاس مسئلہ پوچھنے آتے ہیں کہ ہمارے بڑے نے ہمیں ہمارے دوست سے قطع تعلق کا حکم دیا ہے اور حدیث میں تین دن سے زیادہ قطع تعلق سے منع کیا گیا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ سب شیطانی دھوکا ہے، بڑے جس کے ساتھ تعلق رکھنے سے روک رہے ہیں وہ تو اللہ ہی کی خاطر گناہ سے اور اللہ کی نافرمانی سے بچنے کے لیے روک رہے ہیں اس کے اندر تو کوئی حرج کی بات نہیں۔

اور ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ویسے تو ساری دنیا سے جھگڑے کر کے تعلق قطع کئے ہوئے ہیں اور وہاں ان کو یہ حدیث یاد نہیں آتی، اصل میں جن کے ساتھ قطع تعلق کا حکم دیا گا وہ ہے اس کے ساتھ دوستی کرنا اور ملنا چاہتا ہے اس لیے اس حدیث کو سہارا بنا رہا ہے۔

بَابُ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَشِرْهُ

٤١٧ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا بَكْرٌ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ،

أَنَّ وَهْبَ بْنَ كَيْسَانَ أَخْبَرَهُ - وَكَانَ وَهْبٌ أَدْرَكَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ - أَنَّ ابْنَ عُمَرَرضی اللہ تعالیٰ عنهما رَأَى رَاعِيًا وَغَنَمًا فِي مَكَانٍ قَبِيحٍ وَرَأَى مَكَانًا أَمْثَلَ مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ: وَيْحَكَ، يَا رَاعِي، حَوِّلْهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ”كُلُّ رَاعٍ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ“.

کسی کو مشورہ دینا اگرچہ اس نے مشورہ طلب نہیں کیا

ترجمہ: حضرت وہب بن کانے ن رحمۃ اللہ علیہ (جنہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحبت پائی ہے) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں کو ایک بنجر جگہ میں چرا رہا ہے اور آپ نے قریب ہی ایک اچھی جگہ دیکھی اس چرواہے کی خیر خواہی کرتے ہوئے یوں کہا کہ اے چرواہے! تیرا برا ہو (تنبیہ کے لیے ایسا جملہ کہا جاتا ہے) اپنی بکریوں کو وہاں لے جا جہاں اچھا سبزہ ہے، یہاں سے وہاں ان کے لیے فائدہ کی جگہ ہے اس لیے کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نگران سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

تشریح: امام بخاری رحمہ اللہ اس واقعے کو لا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے کسی بھائی کو یا اپنے ماتحتوں کو دیکھیں کہ وہ اس وقت اپنے کاروبار یا کسی اور کام میں جو شکل اختیار کئے ہوئے ہے اس کے مقابلے میں دوسری شکل دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہتر ہے تو چاہے اس نے اپنی طرف سے کوئی مشورہ طلب نہ کیا ہو آپ اپنے طور پر سامنے چل کر اس سلسلے میں رہنمائی کریں تو اس کی اجازت ہے، اس وقت یہ نہ سوچیں کہ وہ پوچھنے نہیں آیا تو میں کیوں کہوں؟ جب وہ پوچھے گا تو بتاؤں گا۔ مطلب یہ کہ اپنے ماتحتوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو کمی پر اکتفاء نہیں

کرنا چاہیے بلکہ فائدہ کی جو بہتر شکل ہو اختیار کرنی چاہیے، ہاں اگر خود سے مشورہ دینے میں کسی فتنے کا اندیشہ ہو تو احتیاط برتی جاسکتی ہے۔

بَابُ مَنْ كَرِهَ أَمْثَالَ السَّوْءِ

٤١٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ، الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ، كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ".

اپنے لیے کوئی بُرا نمونہ ناپسند کرنا

(یعنی اپنے لیے کوئی ایسی شکل اختیار نہ کرنا جو اچھی نہیں سمجھی جاتی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے لیے بری مثال (برا نمونہ) نہیں ہے کہ کسی کو ہدیہ اور بخشش کے طور پر کوئی چیز دے کر واپس لے لیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کتے نے قے کی اور پھر اس نے وہ قے واپس کھالی۔

حدیث شریف کا مقصد

تشریح: کسی کو کوئی چیز ہدیہ دے کر واپس لے لینا ایسا ہی ہے جیسے کہ کتا قے کر کے واپس کھالے، اس حدیث شریف میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بخشش اور ہدیہ کے طور پر دی ہوئی چیز کو واپس لینے کے معاملے میں کتے کے اس گھناونے فعل کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ایک مؤمن کو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے کہ جس میں اس کی کتے کی

اس حرکت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہو یعنی ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے کہ اس کام کو کرنے سے کسی کو ہمارے متعلق کوئی بری تشبیہ دینے کا موقع ملے کہ یہ تو ایسا ہے، یعنی ہم نے کوئی ایسا کام کیا جس سے کوئی کہے کہ یہ تو گدھے جیسا یا کتے جیسا ہے۔

کتے کی بری عادت

کتا جب زیادہ کھالیتا ہے تو اس کی عادت یہ ہوتی ہے کہ وہ جھاڑی میں چلا جاتا ہے اور جھاڑی کی لکڑی یا پودے کا اوپر کا سرا اپنے منھ میں ڈالتا ہے (جیسے ایک انسان بھی اپنے منھ میں انگلی ڈالتا ہے تو اس کے نتیجے میں قے والی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اندر کی چیز نکل آتی ہے) جس کی وجہ سے اس کو قے ہوتی ہے اور اس نے جو کھانا کھایا تھا وہ قے کے ذریعے سے باہر نکل آتا ہے اور اس قے کو وہاں اندر چھپائے رکھتا ہے، پھر جب اس کو دوبارہ بھوک لگتی ہے تو جا کر پھر اس کو کھالیتا ہے یہ بہت برا اور گھناونا کام ہے۔

کیا ہدیہ واپس لوٹا سکتے ہیں؟

مسئلہ: کیا ہدیہ میں دی ہوئی چیز کو واپس لوٹا سکتے ہیں؟ اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی نے کسی کو کوئی چیز ہدیہ میں دی اور سامنے والے نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس کا مالک بن چکا جیسے ایک آدمی نے کسی کو کوئی چیز ہدیے میں دی اور وہ ہدیہ دے کر واپس لے رہا ہے، مثلاً کسی کو گھڑی ہدیے میں دی، اس کے بعد دونوں میں جھگڑا پیش آیا تو دینے والے نے کہا کہ میری گھڑی واپس کر دو اور اب واپس طلب کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، مگر واپس طلب کر سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی مرضی سے آپ کو واپس کرنے کے

لیے تیار ہو جائے یا یہ کہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں اور وہ فیصلہ کرے کہ اس کو واپس دو تو واپس لے سکتے ہیں، اگر وہ اپنی مرضی سے واپس نہ دے تو اب اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اس سے چھیننا درست نہیں ہے، وہ نہیں دینا چاہتا اور اس کے پاس سے چھین لیا تو چھیننے والا مالک نہیں بنے گا اس لیے کہ اس کی ملکیت سے وہ چیز نہیں نکلی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب قائم کیا ہے اس کا تعلق صرف ہدیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ اس سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دوسرے معاملات میں بھی آدمی کو کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے کہ جس کی وجہ سے اس کو کسی بری چیز کے ساتھ مشابہت کی نوبت آئے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْمَكْرِ وَالْخَدِيعَةِ

٤١٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَجَّاجِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْبَاطِ الْحَارِثِيُّ وَاسْمُهُ بِشْرُ بْنُ رَافِعٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ".

کسی آدمی کا کسی کے ساتھ دھوکے اور فریب کا معاملہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بھولا اور شریف ہوتا ہے اور فاجر چالاک اور کمینہ ہوتا ہے۔

بھولا پن کا مطلب

تشریح: مومن ایمان سے ہے اور ایمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے مزاج میں شرافت اور بھولا پن ہوتا ہے اور بھولے پن کا مطلب یہ ہے کہ اکثر اوقات کوئی شخص آ کر اس کے سامنے غلط بات کرتا ہے تو وہ اس غلط بات کو سن کر اور سمجھ کر مان بھی لیتا ہے لیکن اپنی شرافت کی وجہ سے سامنے والے کو اس کی غلطی پر نہیں ٹوکتا، اسی طرح اس کے ساتھ کوئی غلط معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اگر وہ معاملہ شریعت کے خلاف نہیں ہے تو اس کو بھی گوارا کر لیتا ہے۔ حدیث شریف میں خَبٌّ کا لفظ آیا ہے "خَبٌّ" کہتے ہیں دھوکے باز کو، یعنی دھوکا دیکر کمینے پن کا اظہار کرتا ہے، اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو دھوکا دینا اور کسی کے ساتھ فریب کا معاملہ کرنا یہ مومن کی شان نہیں ہے، یہ فاجر یعنی بدکار آدمی کی علامت ہے۔

بَابُ السِّبَابِ

٤٢٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أُمَيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ مُوسَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَبَّ أَحَدُهُمَا وَالْآخَرُ سَاكِتٌ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ، ثُمَّ رَدَّ الْآخَرُ. فَنَهَضَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيلَ: نَهَضْتَ؟ قَالَ: "نَهَضَتِ الْمَلَائِكَةُ فَنَهَضْتُ مَعَهُمْ، إِنَّ هَذَا مَا كَانَ سَاكِتًا رَدَّتِ الْمَلَائِكَةُ عَلَى الَّذِي سَبَّهُ، فَلَمَّا رَدَّ نَهَضَتِ الْمَلَائِكَةُ".

گالی گلوچ کرنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کے زمانے میں دو آدمیوں میں آپس میں کسی وجہ سے ناچاقی ہوئی تو ایک نے دوسرے کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہا، دوسرے نے اس کی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی اختیار کی اس موقع پر آپ ﷺ وہاں تشریف فرما تھے، تھوڑی دیر بعد دوسرے نے بھی جواب دینا شروع کیا، تو حضور ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے، کسی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ یہاں سے اٹھ گئے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے بھی اٹھ گئے تو میں بھی اٹھ گیا، پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کہ یہ خاموش تھا فرشتہ اس کی طرف سے جواب دے رہا تھا لیکن جب اس نے جواب دینا شروع کیا تو فرشتہ ہٹ گیا۔

تشریح: حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کوئی آدمی کسی کے ساتھ گالی گلوچ کا یا طعن وتشنیع کا معاملہ کرے تو دوسرے کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے اسی میں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر ہے۔

٤٢١ - حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا رُدَيْحُ بْنُ عَطِيَّةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي عَبْلَةَ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنها وعنهم أَنَّ رَجُلًا أَتَاهَا فَقَالَ: إِنَّ رَجُلًا نَالَ مِنْكِ عِنْدَ عَبْدِ الْمَلِكِ، فَقَالَتْ: إِنْ نُؤْبَنَ بِمَا لَيْسَ فِينَا، فَطَالَمَا زُكِّينَا بِمَا لَيْسَ فِينَا .

ترجمہ: حضرت ابراہیم رحمہ اللہ حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر ان سے کہا کہ فلاں آدمی نے خلیفۂ وقت عبدالملک ابن مروان کے پاس تمہاری برائی کی تو اس پر حضرت ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی ہماری

برائی کرتا ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے تو ناراض ہونے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ بہت سی مرتبہ کوئی ہماری تعریف بھی ایسی کرتا ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے۔

تشریح: بعض لوگ کبھی لوگوں کے سامنے ہماری خوبیاں بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ جو خوبیاں بیان کی جارہی ہیں وہ ہمارے اندر نہیں ہیں یہ غلط تعریف کر رہا ہے اس کے باوجود ہم اس پر خوش ہوتے ہیں اور اس تعریف کرنے والے کو منع نہیں کرتے ،تو جیسے ہمارے اندر خوبیاں نہ ہونے کے باوجود جب کوئی ہماری خوبیوں کو بیان کرتا ہے تو ہم خاموشی کے ساتھ اس کو سن لیتے ہیں اسی طرح اگر کوئی ہماری ایسی برائی بیان کرے کہ وہ برائی ہماری زندگی میں نہیں ہے تو اس کو بھی خاموشی کے ساتھ سن لینا چاہیے۔

یہ بھی پڑھ لیں اس میں حرج کی کیا بات ہے

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی جب بینائی چلی گئی تو اس زمانے میں حضرت کے یہاں جو خطوط آتے تھے انہیں حضرت مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے وہ سناتے بھی تھے اور وہی حضرت کے ارشاد کے مطابق جواب بھی تحریر کرتے تھے،ان خطوط میں بہت سے خطوط مخالفین کی طرف سے بھی ہوتے تھے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے حضرت کی تکفیر کی تھی۔ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بہت دن ہوگئے ہمارے دوستوں نے ہمیں یاد نہیں کیا؟ تو کہا کہ حضرت کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ بہت دن

ہو گئے آپ نے ایسا کوئی خط نہیں سنایا جس میں ہمارے خلاف باتیں ہوتی ہیں؟ تو فرمایا کہ حضرت ایسے خطوط آتے تو ہیں لیکن ایسی بری اور سخت باتیں لکھی ہوتی ہیں کہ مجھ سے پڑھی نہیں جاتیں، تو فرمایا کہ نہیں! وہ خطوط بھی پڑھ کر سناؤ، اگر ہم میں وہ بات ہے تو ہم ہی اپنی اصلاح کرلیں گے اور پھر یہ فرمایا کہ بھائی خطوط میں بہت سی ایسی باتیں اور ہمارے نام پر ایسے القاب بھی آتے ہیں کہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں، انہیں تو ہم پڑھ لیتے ہیں یہ بھی پڑھ لیں اس میں حرج کی کیا بات ہے؟

٤٢٢ - حَدَّثَنَا شِهَابُ بْنُ عَبَّادٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيُّ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِصَاحِبِهِ: أَنْتَ عَدُوِّي، فَقَدْ خَرَجَ أَحَدُهُمَا مِنَ الْإِسْلَامِ، أَوْ بَرِئَ مِنْ صَاحِبِهِ قَالَ قَيْسٌ: وَأَخْبَرَنِي بَعْدُ أَبُو جُحَيْفَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ قَالَ: إِلَّا مَنْ تَابَ .

ترجمہ: حضرت قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے ساتھی سے یوں کہتا ہے کہ تو میرا دشمن ہے تو ایسا کہنے کے نتیجے میں ان میں سے ایک اسلام کی حقیقی خوبیوں سے نکل گیا یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایسا کہہ کر اس نے اپنے ساتھی سے برأت اور علحیدگی اختیار کی، حضرت قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں ابوجحیفہ رحمہ اللہ بھی موجود تھے، انوتس نے بدہ مس باہ یا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی اپنی اس حرکت سے توبہ کر لے تو ٹھیک ہے۔

تشریح: اپنے مسلمان بھائی کو اپنا دشمن کہنے سے اپنے آپ کو باز رکھنا چاہیے۔ اگر کہنے والا واقعی سچا ہے یعنی جس کو دشمن کہا ہے اس نے کہنے والے کے ساتھ دشمنی اور

عداوت کا معاملہ کیا ہے تو ظاہر ہے جس نے عداوت کا معاملہ کیا ہے اس نے اسلامی تقاضوں کو پورا نہیں کیا یعنی اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ جو معاملہ، رویہ اور روش اپنانی چاہیے تھی وہ گویا اس نے چھوڑ دی اس لیے وہ اسلام کی خوبیوں سے نکل گیا۔ اگر کہنے والا غلط کہہ رہا ہے یعنی جس کو دشمن کہا جا رہا ہے حقیقت میں اس نے کوئی عداوت والا کام نہیں کیا ہے تو کہنے والا یہ کہہ کر اس پر ایک طرح کا الزام یا تہمت لگا رہا ہے تو یہ گویا اسلام کے تقاضوں سے نکل گیا۔

بَابُ سَقْيِ الْمَاءِ

٤٢٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم، أَظُنُّهُ رَفَعَهُ - شَكَّ لَيْثٌ - قَالَ: فِي ابْنِ آدَمَ سِتُّونَ وَثَلَاثُمِائَةِ سُلَامَى - أَوْ عَظْمٍ، أَوْ مَفْصِلٍ - عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ، كُلُّ كَلِمَةٍ طَيْبَةٍ صَدَقَةٌ، وَعَوْنُ الرَّجُلِ أَخَاهُ صَدَقَةٌ، وَالشَّرْبَةُ مِنَ الْمَاءِ يَسْقِيهَا صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ .

پانی پلانا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی (یعنی حضور کے ارشاد کے طور پر نقل کیا) کہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ یا ہڈیاں یا پٹھے ہیں اور جب صبح کو آدمی سلامتی کے ساتھ اٹھتا ہے تو ہر آدمی پر اپنے ہر جوڑ کی سلامتی کی وجہ سے ایک صدقہ واجب ہے، کوئی بھلی

بات کسی کو کہنا بھی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، آدمی کا اپنے بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے، کسی کو پانی کا ایک گھونٹ پلا دینا بھی صدقے کا ثواب رکھتا ہے اور راستے میں سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔

چھوٹے چھوٹے کاموں کا مقام

تشریح: جس جگہ ایک ہڈی دوسری ہڈی سے ملتی ہے اس کو جوڑ کہتے ہیں تو پورے جسم میں تین سوساٹھ ہڈیاں یا جوڑ ہیں، اگر تین سوساٹھ جوڑوں کی سلامتی کے ساتھ صبح کی تو تین سوساٹھ صدقے اس پر واجب ہوئے، جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کون اتنے زیادہ صدقے کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس کے جواب میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بھائی! صدقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خالی کوئی کسی کو مال ہی دیدے، بلکہ کوئی آدمی بوجھ اٹھا رہا ہے اور وہ بوجھ اٹھانے سے عاجز ہے تو آپ نے اس کا ہاتھ بٹا دیا، کسی کے پاس بھاری سامان ہے تو آپ نے اسے اٹھانے میں اس کی مدد کر دی، کوئی گر رہا تھا آپ نے اس کو سہارا دے دیا یا کسی بھی طرح سے کسی کی مدد کر دی تو یہ آپ کے بھائی کی مدد کرنا ہے، چاہے وہ جسمانی ہو یا مالی، یا ایسے ہی زبان سے تقویت پہنچا کر ہو، اگر راستہ میں کانٹا پڑا ہے اور یہ سوچ کر کہ کسی کو چبھ نہ جائے، راستے میں پتھر پڑا ہوا ہے، یہ سوچ کر کہ کسی کو ٹھوکر لگے گی آپ نے اسے ہٹا دیا، شیشے کا یا کانچ کا کوئی ٹکڑا پڑا ہوا ہے آپ نے وہاں سے ہٹا دیا۔ مطلب یہ کہ راستے میں سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دینا بھی اپنے اندر صدقہ کا ثواب رکھتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ چاشت کی دو رکعت

بھی صدقہ کا ثواب رکھتی ہے، یعنی تین سو ساٹھ صدقوں کا حق اس سے ادا ہو جاتا ہے۔ اوپر جتنے کام ذکر کئے ہیں یہ ایسے کام ہیں جن کو آدمی دن بھر میں بہت سارے کر سکتا ہے جب بھی موقع آئے ان کاموں کو کرتا رہے ان سے گویا یہ حق ادا ہو جائے گا۔

بَابُ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْأَوَّلِ

٤٢٤ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِئِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ".

دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کریں اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں دو گالی گلوچ کرنے والے آدمیوں نے جو کچھ کہا اس سب کا وبال شروع کرنے والے پر ہوگا جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

تشریح: اگر مظلوم نے زیادتی کی ہے پھر تو وہ بھی گنہگار ہوگا، مثلاً ابتداء کرنے والے نے کہا کہ بے وقوف، اس نے کہا تو بے وقوف، تیرا باپ بے وقوف تیرا بھائی بے وقوف تو ظاہر ہے اس صورت میں وہ بھی گنہگار ہوگا، اگر اتنا ہی جواب دیا کہ تو بے وقوف یہ تو ٹھیک ہے۔

٤٢٥ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا، فَعَلَى الْبَادِئِ، حَتَّى يَعْتَدِيَ الْمَظْلُومُ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں گالیاں دینے والے دو آدمیوں نے جو کچھ کہا اس سب کا وبال شروع کرنے والے پر ہوگا جب تک مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

٤٢٦ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَتَدْرُونَ مَا الْعَضْهُ؟" قَالُوا: اللّٰه وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: "نَقْلُ الْحَدِيثِ مِنْ بَعْضِ النَّاسِ إِلَى بَعْضٍ، لِيُفْسِدُوا بَيْنَهُمْ".

ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہے چغلی کس کو کہتے ہیں؟ تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ کسی کی بات دوسرے تک اس لیے نقل کرنا کہ ان کے درمیان آپس میں بگاڑ ہو۔

٤٢٧ - وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا، وَلَا يَبْغِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ".

ترجمہ: نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی کہ تواضع اختیار کرو اور تم میں سے کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے۔

حقیقی تواضع

تشریح: تواضع اختیار کرو اس کا مطلب فروتنی، انکساری اختیار کرو، اپنے

آپ کو بڑا نہ سمجھو، اپنے آپ کو کمتر سمجھو۔ ایک ہے کمتر سمجھنا اور ایک ہے کم تر کہنا، اپنے آپ کو کمتر کہنا تواضع نہیں بلکہ سمجھنا حقیقی تواضع ہے۔

بَابُ الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ

٤٢٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رضى الله تعالىٰ عنه قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، الرَّجُلُ يَسُبُّنِي؟ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ".

آپس میں گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی شیطان ہیں جو بہتان تراشی اور جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیٔ کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی آدمی اگر مجھے گالیاں دے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں دونوں گالی گلوچ کرنے والے شیطان ہیں جو ایک دوسرے پر بہتان بھی باندھ رہے ہیں اور جھوٹ بھی باندھ رہے ہیں۔

صبر و تحمل سے کام لیں

تشریح: اگر کوئی کسی کو برا بھلا کہے، یا کوئی زیادتی کا معاملہ کرے تو حدود اور قیود کی رعایت کرتے ہوئے بدلہ لینے کی شریعت نے اجازت تو دی ہے، مگر عام طور اس طرح جھگڑے کی نوبت جب آتی ہے تو حدود اور قیود سے آدمی نکل جاتا ہے اور دونوں ہی

غصہ میں آ کر ایک دوسرے کو گالی بکنا شروع کرتے ہیں تو نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایسی بات از قبیلِ بہتان جو نہیں کہنی چاہیے کہتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہیں، اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ کسی کی طرف سے ایسا کوئی معاملہ ہو، کوئی نا روا سلوک ہو تو صبر و تحمل سے کام لیکر اس کا جواب دینے سے اپنے آپ کو بچایا جائے۔

٤٢٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتَّى لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا سَبَّنِي فِي مَلَأٍ هُمْ أَنْقُصُ مِنِّي، فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ، هَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ جُنَاحٌ؟ قَالَ: "الْمُسْتَبَّانِ شَيْطَانَانِ يَتَهَاتَرَانِ وَيَتَكَاذَبَانِ" قَالَ عِيَاضٌ: وَكُنْتُ حَرْبًا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَيْتُ إِلَيْهِ نَاقَةً، قَبْلَ أَنْ أُسْلِمَ، فَلَمْ يَقْبَلْهَا وَقَالَ: "إِنِّي أَكْرَهُ زَبْدَ الْمُشْرِكِينَ".

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی (یعنی گویا بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا) کہ آپس میں تواضع اختیار کرو چنانچہ اس تواضع کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کوئی کسی کے خلاف سرکشی نہ کرے، کوئی کسی کے مقابلے میں فخر اور غرور سے پیش نہ آئے (عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کوئی آدمی جو مجھ سے مقام اور مرتبے میں کم حیثیت کا ہے لوگوں کے سامنے مجھے برا بھلا کہتا ہے (گویا اس کے برا بھلا کہنے کے نتیجے میں میری توہین وتحقیر

ہوتی ہے)تو اگر میں ان کی اس بات کا جواب دوں تو میرے لیے کوئی گناہ ہے؟اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں، گالی گلوچ کرتے ہیں تو یوں سمجھو کہ دونوں شیطان ہیں جو آپس میں بہتان تراشی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، ایک دوسرے پر جھوٹ باندھتے ہیں۔عیاض ابن حمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے میں نبئ کریم ﷺ کا دشمن تھا اسی زمانے میں میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک اونٹنی ہدیہ کے طور پر پیش کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ مشرکین کے ہدایا قبول کرنا مجھے ناپسند ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں لوگوں کو آپس میں تواضع اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے،تواضع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کمتر سمجھے اور صبر وتحمل سے کام لے، اس لیے کہ اگر تواضع نہیں ہوگی تو سامنے والے کے ساتھ آدمی غرور سے پیش آتا ہے، سرکشی کرتا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کئے بغیر جواب دینے کی اجازت ہے مگر بہتر خاموش رہنا ہی ہے۔

غیر مسلم کے ہدیہ قبول کرنے کے سلسلے میں ایک اہم اصول

آپ ﷺ کا بعض مشرکین کے ہدایا کو قبول کرنا بھی روایتوں میں آتا ہے، جہاں آپ نے دیکھا کہ اس کا ہدیہ رد کرنے کے نتیجے میں اس کے دل پر اثر ہوگا اور وہ اسلام قبول کرے گا تو آپ نے ہدیہ قبول نہیں کیا، موقع اور مصلحت کے مطابق آپ نے عمل فرمایا۔

بَابُ سِبَابِ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ

٤٣٠ - حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ

أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ زَكَرِيَّا، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ رضی الله تعالى عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ.

مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور کی بات ہے (یعنی بڑا گناہ ہے)

ترجمہ: حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کو گالی دینا فسق و فجور ہے (یعنی کبیرہ گناہ ہے، آدمی ایسا کرنے کی وجہ سے اللہ کا نافرمان بنتا ہے، فاسق قرار دیا جاتا ہے)۔

٤٣١ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسٍ رضی الله تعالى عنه وعنهم قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا، وَلَا لَعَّانًا، وَلَا سَبَّابًا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: ''مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہ تو فحش گو تھے (یعنی کوئی بے حیائی کی بات آپ کی زبان مبارک پر نہیں آتی تھی) اور نہ کسی پر لعنت ملامت کرنے والے اور کسی کو سب و شتم اور گالی گلوچ کرتے تھے ہاں کسی کو سرزنش کرنی ہوتی، ڈانٹ ڈپٹ یا تنبیہ کرنی ہوتی تو آپ کی زبان مبارک پر یہ جملہ ہوتا تھا ''کیا ہو گیا اس کو؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو''۔

آپ ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی قبیح بات آتی ہی نہیں تھی

تشریح: ''مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ'' یہ عربی زبان کا محاورہ ہے اس کی پیشانی

خاک آلود ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو تواضع عطا فرمائیں، آپ ﷺ کی عادت شریفہ اور آپ کے پاکیزہ اخلاق ایسے تھے کہ کوئی قبیح بات نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر آتی ہی نہیں تھی، گویا غصے اور ناراضگی کے موقع پر بھی حضور ﷺ کی زبان مبارک پر ان الفاظ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ ہر مومن کو حضور اکرم ﷺ ہی کی ذات بابرکات کو نمونہ بنانا چاہیے۔

٤٣٢ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ مسعود رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو گالی دینا یہ فسق وفجور کا حصہ ہے اور اس کے ساتھ جنگ کرنا یہ تو گویا کفر تک پہنچانے والی چیز ہے۔

تشریح: ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو کسی بھی مومن کے ساتھ بدسلوکی کا معاملہ کرنے سے بچائے، اس لیے کہ کسی مومن کو گالی دینا گویا اس کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالنا اور جنگ کرنا ہے اور حدیث میں آتا ہے کہ مومن کی جان، مال اور عزت وآبرو تینوں چیزیں محفوظ ہیں، ان کو چھیڑنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

٤٣٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ، أَنَّ أَبَا الْأَسْوَدِ الدِّيلِيَّ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا ذَرٍّ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ

بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ .

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے پر بہتان نہ لگائے، اگر کوئی آدمی کسی پر کفر کا بہتان لگائے گا یعنی کافر کہے گا تو اگر جس کو کہا گیا ہے وہ اس کا اہل نہیں ہے تو یہ جملہ خود کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

کسی کو کافر کہنے کی مثال

تشریح: حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کو کافر کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک گیند، جب گیند کسی سخت دیوار کی طرف پھینکیں گے تو وہ دیوار گویا گیند کو اپنے اندر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، جتنی قوت سے ادھر گیند پھینکی اتنی ہی قوت سے آپ کی طرف لوٹ کر آئے گی، جس کی آپ نے تکفیر کی ہے، اگر اس میں کفر کی کوئی بات نہیں ہے تو یہ جملہ آپ ہی کی طرف لوٹ کر آئے گا، کسی نے کسی کو کافر کہا اور اس میں کفر والی کوئی بات نہیں پائی جاتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ جملہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے گویا اس جملے کے اثرات اس کی ذات میں پیدا ہوں گے اور اس کی وجہ سے اس کو نقصان پہنچے گا۔ حضرات شوافع میں سے امام غزالی اور احناف میں سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کو، جس میں کفر کی کوئی چیز پائی نہیں جاتی، کافر کہے تو کہنے والا خود ہی کافر ہو جاتا ہے، اس لیے اپنے آپ کو ایسے جملے استعمال کرنے سے بچانے کی ضرورت ہے۔

٤٣٤ - وَبِالسَّنَدِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنه، سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنِ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَقَدْ كَفَرَ،

وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ هُوَ مِنْهُمْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَتْ عَلَيْهِ“.

ترجمہ: حضرت ابوذرغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کو میں نے ارشاد فرماتے ہوئے سنا کسی آدمی نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کررہا ہوں میرا باپ نہیں ہے میرا باپ تو دوسرا آدمی ہے گویا اس نے کفر اختیار کیا۔ کسی نے اپنے آپ کو کسی ایسی قوم میں شمار کرایا جس سے اس کا تعلق نہیں ہے (یعنی ایک آدمی سید نہیں ہے اور یوں کہتا ہے کہ میں سید ہوں، صدیقی، فاروقی نہیں ہے اس کے باوجود کہتا ہے کہ میں صدیقی اور فاروقی ہوں، شیوخ میں سے ہوں) اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے، اور اگر کسی آدمی کو کافر کہہ کر پکارا یا یوں کہا کہ اے اللہ کے دشمن! حالانکہ جس کو اس طرح کہا جارہا ہے وہ ایسا نہیں ہے (یعنی اس میں کفر کی کوئی بات نہیں پائی جاتی، کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے شرعی اعتبار سے وہ کافر ہوجاتا ہو ایسے کو اگر کوئی کافر کہے گا تو) نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات اس کی طرف لوٹے گی (یعنی اس کا اثر آئے گا)۔

منھ بولے بیٹے کو اپنی طرف منسوب کرنے کی ممانعت

تشریح: بعض لوگ نسبی تفاخر کی غرض سے کسی نیچ خاندان کے ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کسی اونچے خاندان کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے حق میں یہ وعید ہے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیں، اسی طرح بعض لوگ کسی کو اپنا منھ بولا بیٹا بناتے ہیں اور منھ بولا بیٹا بنانے کی صورت میں سرکاری کاغذات میں اور اس کے نام میں اپنا نام باپ کی حیثیت سے جوڑتے ہیں حالانکہ قرآن میں اس کی ممانعت آئی ہے ﴿اُدعُوهم

لِاٰبَآئِهِم هُوَ اَقسَطُ عِندَ اللّٰهِ﴾ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف کی بات ہے۔زمانۂ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ کوئی آدمی کسی کو اپنا منھ بولا متبنیٰ بیٹا بنالیتا تھا جس کو لے پالک کہتے ہیں، وہ بچہ گویا اسی گود لینے والے کی طرف منسوب کیا جاتا تھا اور باپ کے طور پر اسی کا نام بولا جاتا تھا۔ چنانچہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تو لوگ ان کو زید ابن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پکارنے لگے،اسی طرح حضرت سالم ابن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی اور آزاد شدہ غلام ہیں ان کو آزاد کرنے والی مالکن کے شوہر حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا منھ بولا بیٹا بنایا تو لوگ ان کو سالم ابن ابی حذیفہ کہتے تھے پھر بعد میں قرآن میں اس کی ممانعت آئی کہ ایسا مت کرو، ان کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف کی بات ہے۔آج کل بھی بہت سے لوگ قرآن کے اس صریح حکم سے ناواقف ہیں اور مسلمان ہونے کے باوجود اتنی زیادہ غفلت کہ جس کام کی ممانعت اور حرمت قرآن میں آئی پھر بھی اس سے واقف نہیں اور اس طرح اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ہاں کسی کو لے پالک اس لیے بنایا کہ میں اس کی پرورش کروں گا اور ایک حقیقی بیٹے یا بیٹی کو ایک باپ جو محبت دیا کرتا ہے وہ محبت دوں گا اور اسی لاڈ و پیار کے ساتھ اس کی پرورش کروں گا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن اس کی نسبت تو اس کے سگے باپ ہی کی طرف ہونی چاہیے،اسی طرح اگر لڑکا یہ جانتے ہوئے کہ میرا حقیقی باپ فلاں ہے،اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے گا تو وہ اس وعید کا حق دار بنے گا۔

کسی غیر کافر کو کافر کہنے سے اپنے آپ کو بچائیں

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو جو حقیقت میں کافر نہیں ہے، کافر کہا تو بعض ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس طرح کہنے سے وہ کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ گالی کے طور پر ایسا کہا ہے تو کافر تو نہیں ہوگا، لیکن یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس کے برے اثرات بھی ہیں، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس جملے کی وجہ سے اس کی ذات میں بھی کچھ انقلاب اور تبدیلی ایسی ہوگی جو کسی بڑے گناہ کی طرف اس کو مائل کرنے والی بنے گی، جیسا کہ تازہ گوبر ہوتا ہے اس میں پتھر پھینکو گے تو چھینٹے اڑیں گے اور اس کے اثرات پہنچیں گے۔

٤٣٥ - حَدَّثَنَا عُمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ صُرَدٍ رضى الله تعالىٰ عنه - رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا، فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ"، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ، فَأَخْبَرَهُ بِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: تَعَوَّذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، وَقَالَ: أَتَرَى بِي بَأْسًا، أَمَجْنُونٌ أَنَا؟ اذْهَبْ.

ترجمہ: حضرت سلیمان ابن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں (دو آدمیوں میں تو تو میں میں ہوگئی) اور ایک دوسرے کو گالی گلوچ کرنے لگے چنانچہ ان میں سے ایک کو اتنا غصہ آیا کہ غصہ کی شدت میں ان کا چہرہ پھول گیا اور چہرے کا رنگ

سرخ ہو گیا، یہ کیفیت دیکھ کر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر وہ بول دے تو سارا غصہ رفو چکر ہو جائے گا (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لے) چنانچہ جب نبیٔ کریم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی تیسرے آدمی نے ان جھگڑا کرنے والوں میں جو بہت غصہ میں تھا اس کو اطلاع کی کہ دیکھو حضور ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اعوذ باللہ پڑھ لے تو غصہ کا اثر چلا جائے گا (اس لیے فرمایا شیطان مردود سے اللہ کی پناہ حاصل کرو اور اب وہ غصہ ہی میں تھا عقل ختم ہو گئی تھی) تو کہا کہ کیا تو یہ سمجھ رہا ہے کہ میں کوئی پاگل ہوں چل یہاں سے۔

غصہ بہت بری چیز ہے

تشریح: غصہ بہت بری چیز ہے دیکھئے اس حدیث میں کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو غصہ کا علاج بتلایا لیکن اس کا غصہ اتنا زیادہ بڑھا ہوا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ اپنی خیر اور بھلائی بھی بھول گیا اور حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا جا رہا ہے اس کا بھی انکار کر دیا۔ بعض کہتے ہیں یہ انکار اس لیے کیا کہ وہ منافق تھا، بعض کہتے ہیں کہ نہیں، وہ صحابی ہی تھے، اصل میں مغلوب الغضب ہونے کی وجہ سے ہوش حواس ٹھکانے نہیں رہے۔ بہر حال ایسی باتوں سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے، دو آدمیوں میں آپس میں جب تو تو میں میں ہوگی اور جھگڑا ہوگا تو شروع میں اتنا غصہ نہیں ہوگا، شروعات دھیرے دھیرے ہوتی ہے ایک نے کچھ کہا اب دوسرا اس کے جواب میں کچھ کہے گا اس طرح دھیرے دھیرے غصہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے دونوں مغلوب الغضب ہو کر ہوش وحواس کھو دیتے ہیں اور پھر عقل کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں، شروع ہی سے آدمی اپنے اوپر قابو کر لے تو یہاں تک نوبت نہیں پہنچے گی۔

٤٣٦ - حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ إِلَّا بَيْنَهُمَا مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ سِتْرٌ، فَإِذَا قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ كَلِمَةَ هَجْرٍ فَقَدْ خَرَقَ سِتْرَ اللهِ، وَإِذَا قَالَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ: أَنْتَ كَافِرٌ، فَقَدْ كَفَرَ أَحَدُهُمَا .

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دو مسلمانوں کے درمیان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پردہ ہوتا ہے اب جب ان میں سے ایک دوسرے کو کوئی غلط بات کہتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے اس پردہ کو پھاڑ دیا اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو یوں کہتا ہے کہ تم کافر ہو تو ان میں کوئی ایک ضرور کافر ہو جاتا ہے

تشریح: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مسلمان ہونے کی وجہ سے اور حقوق اسلام کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، ایک دوسرے کا لحاظ کرتے ہیں اور جب تک کہ لحاظ اور پردے کو ملحوظ رکھا جائے آدمی بچا رہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اللہ کی طرف سے قائم کئے گئے اس پردے اور رکاوٹ کو کبھی بھی دور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، اپنے آپ کو اس طرح ابتداءاً ایسی بات کرنے سے بچانا چاہیے۔ مثلاً کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو کافر کہہ دیا تو جس کو کہا گیا اگر واقعتاً اس میں کفر کی کوئی بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے شرعی اعتبار سے وہ کافر ہے تو وہ کافر ہی ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ چیز کہنے والے کی طرف لوٹے گی، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

بَابُ مَنْ لَمْ يُوَاجِهِ النَّاسَ بِكَلَامِهِ

٤٣٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضى الله تعالىٰ عنها: صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَرَخَّصَ فِيهِ، فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ، فَحَمِدَ اللهَ، ثُمَّ قَالَ: "مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ؟ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللهِ، وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً".

غلطی کرنے والے کے منھ پر ٹوکنے سے پرہیز کرنا

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے کوئی کام کیا (کیا کام کیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی تشریح نہیں فرمائی، ہاں ایک بات فرمائی کہ آپ نے جو کام کیا تھا اس میں عزیمت کے بجائے رخصت کا پہلو اختیار کیا) بعض لوگوں نے اپنے آپ کو اس سہولت والے پہلو پر عمل کرنے سے بچایا، پہلو تہی کی، جب حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو نبیٔ کریم ﷺ نے باقاعدہ خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اور پھر فرمایا: کیا حال ہے ان لوگوں کا جو اس کام سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں جس کو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کو جانتا ہوں اور میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں (اگر اللہ سے ڈرنے کا تقاضا وہ ہوتا جو انہوں نے کیا تو میں وہ کرتا، لیکن میں نے وہ نہیں کیا بلکہ میں نے تو سہولت والا پہلو اختیار کیا، معلوم ہوا کہ خشیت کا یہ بھی تقاضا ہے)۔

باب کا مقصد

بعض مرتبہ کسی کو کوئی ٹوکنے کی بات ہوتی ہے تو ایک طریقہ یہ ہے کہ سیدھا اس کو مخاطب کر کے ٹوکا جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خاص طور پر اس کو مخاطب نہ کیا جائے بلکہ عام انداز میں کوئی بات پیش کی جائے، نبیٔ کریم ﷺ کے مزاج مبارک میں حیاء کا غلبہ تھا اور آپ رحمۃ للعالمین بھی تھے، شفقت اور رأفت و رحمت کا مظہر تھے اس لیے کبھی کسی کی غلط بات پر ٹوکنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو براہ راست اس کو مخاطب کرنے کی بجائے عام انداز میں اس کی اصلاح کا اہتمام فرماتے تھے، گویا یہ عمدہ طریقہ ہے۔ بعض مرتبہ براہ راست مخاطب کر کے ٹوکنے میں بجائے فائدے کے نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے ساتھ لوگوں کو محبت اور عشق کا تعلق ہو وہ لوگوں کے سامنے ٹوکے تو بھی لوگ برا نہیں مناتے، خاص طور پر اگر نبیٔ کریم ﷺ کسی کے متعلق کوئی بات فرمائیں تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اپنے جی میں برا خیال نہ لاتے لیکن نبیٔ کریم ﷺ کے مزاج مبارک میں حیاء کا غلبہ ہونے کی وجہ سے آپ اس طرح منھ در منھ یعنی براہ راست مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ ایک عام انداز میں اس کی غلطی اور کوتاہی پر تنبیہ کر دیا کرتے تھے۔ یہ باب قائم کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ براہ راست ٹوکنے کے بجائے گویا یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے، خاص کر اس زمانہ میں تو اس کی ضرورت اور زیادہ پیش آتی ہے۔

آپ ﷺ کا رخصت پر عمل اور امت کو بھی اس کی تاکید

تشریح: آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ آپ

بڑے بڑے مجاہدے فرماتے تھے اور مشکل سے مشکل کام بھی آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا، مثلاً راتوں کو آپ کا تہجد کے لیے اٹھنا اور آپ کے پاؤں پر ورم کا آجانا اور پاؤں مبارک پر شگاف کا پڑ جانا، ان کاموں کو عزیمت کہتے ہیں مگر آپ اپنی امت کی آسانی اور سہولت کے لیے بہت سی مرتبہ عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر بھی عمل کرتے تھے۔ اس روایت کی راویہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں آپ نے ایک مرتبہ کسی کام میں عزیمت کے اعلیٰ درجے کو اختیار کرنے کی بجائے رخصت اور آسانی والے پہلو پر عمل کیا، اس سے آپ امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ آپ اس رخصت اور سہولت والے پہلو پر بھی عمل کر سکتے ہیں، اور یہ امت کے لیے عین رحمت کا تقاضا تھا کہ وہ اس کو اختیار کرتی تاکہ پتہ چلتا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو طریقہ امت میں رائج کرنا چاہتے ہیں، جس کی تعلیم دینا چاہتے ہیں اور جو آسانی امت کے لیے پیدا فرما رہے ہیں امت بھی اس آسانی کو قبول کر رہی ہے، لیکن ہوا یہ کہ امت نے بجائے اس سہولت اور آسان انداز کو اختیار کرنے کے، اس عمل میں جو سختی اور مجاہدے والا پہلو تھا اس کو اختیار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ میں نے یہ کام اس طرح آسان طریقہ سے رخصت اور سہولت والے انداز میں کر کے بتلایا اس کے باوجود فلاں فلاں حضرات نے اس کے اندر اس سہولت والے پہلو کو اختیار کرنے کی بجائے اپنے اوپر گویا مزید سختی اور مجاہدہ کرتے ہوئے جو عزیمت والا پہلو تھا اس کو اختیار کیا، یہ چیز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گذری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرورت محسوس کی کہ اس ذہنیت اور اس نظریہ کی اصلاح ضروری ہے ورنہ تو آپ کا امت کو تعلیم دینے کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو جاتا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ذہنیت کی اصلاح اور اس نظریہ کو ٹھیک کرنے کے لیے باقاعدہ خطبہ دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظریاتی غلطی کو درست کرنا کتنا اہم ہے اور اس کی اصلاح کتنی ضروری ہے۔

ہر کام میں آدمی اپنی عقل کی پیروی نہ کرے شریعت کی پیروی کرے

بہت سی مرتبہ کسی عمل کے معاملے میں آدمی اپنی سوچ سے یہ طے کر لیتا ہے کہ ایسا کرنے سے اللہ اس سے زیادہ راضی ہوں گے، اس میں گویا اللہ کے ڈر کا پہلو زیادہ ہے مثلاً ایک آدمی سفر میں ہے اور سفر کے دوران اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ آپ فرض پر اکتفاء کر لیں سنتیں پڑھنے کی ضرورت نہیں، ایک آدمی اس کے باوجود سنتیں اور نوافل سب پڑھ رہا ہے۔ سفر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجازت دی کہ اگر وضوء کرنے میں تکلیف ہے تو موزے پر مسح کر لیجیے یہ سہولت اور رخصت ہے، اب ایک آدمی باوجود اس رخصت کے اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر، تکلیف اٹھا کر پاؤں ہی دھوتا ہے تو گویا یہ آدمی اپنے عمل سے یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں بڑا مضبوط ہوں، اللہ تعالیٰ نے جب رخصت دے دی تو اپنے آپ کو بہادر کیوں بتلاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ شریعت میں موجود سہولت سے فائدہ اٹھایا جائے، اس سہولت کو چھوڑ کر آپ اپنی مضبوطی اور بہادری دکھلانا چاہتے ہیں یہ اللہ کو پسند نہیں۔

اللہ کس بات سے زیادہ راضی ہوتا ہے، اللہ کے ڈر کا پہلو کس عمل میں زیادہ ہے یہ طے کرنا ہمارا کام نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عمل کر کے امت کو اس کا طریقہ بتلا دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کام افراط وتفریط سے پاک تھا

نکاح کے سلسلے میں بخاری شریف میں روایت ہے کہ کچھ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کے متعلق پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات کیا ہیں؟ یعنی آپ کی رات کی عبادت کیسی ہے؟ دن میں روزہ کس طرح رکھتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتلایا کہ رات میں آپ سوتے بھی ہیں، آرام بھی کرتے ہیں اور نماز کے لیے بھی اٹھتے ہیں، تہجد بھی پڑھتے ہیں، مطلب یہ کہ کچھ وقت اللہ کی عبادت میں بھی گذارتے ہیں اور کچھ وقت جو انسانی طبیعت کا تقاضا ہے یعنی آرام کرنا، اس کو بھی پورا کرتے ہیں، اسی طرح مہینے کے کچھ دنوں میں آپ روزہ بھی رکھتے ہیں، ایسا نہیں کہ پورا مہینہ روزہ ہی رکھتے ہوں اور آپ عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں۔

بڑے ہونے کا یہ مطلب نہیں

جب کوئی شخص کسی کو اپنا بزرگ سمجھتا ہو اور ان کی بزرگی کی وجہ سے ان سے عقیدت ہو تو اس کے ذہن میں ان کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت عبادات میں مصروف رہتے ہوں گے، بڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ رات بھر ان کو سونا نہیں چاہیے، اب اگر ان کو رات کو سوتا ہوا دیکھے، تو سوچتا ہے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں؟ پھر اپنے دل کو کہتا ہے کہ چلو اللہ بہتر جانتا ہے مگر ہم کو تو جاگنا ہی چاہیے۔

یہ میرا طریقہ نہیں ہے

جب ان حضرات نے یہ بات سنی تو ان میں سے ایک نے کہا کہ آج کے بعد میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ہر رات عبادت میں گذاروں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں آج کے بعد اپنی تمام عمر بغیر نکاح گذاروں گا۔ بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کیا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا طریقہ نہیں ہے، میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، راتوں کو آرام بھی کرتا ہوں اور عبادت بھی، نکاح بھی کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے ہٹے گا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید	کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے خلاف جس نے راستہ اختیار کیا چاہے رات بھر عبادت کرتا ہو اور دن بھر روزے رکھتا ہو گر وہ خلاف سنت ہے تو کبھی منزل تک نہیں پہنچے گا۔ اسی لیے بدعت کو سب سے برا قرار دیا گیا حالانکہ بدعت میں آدمی اللہ ہی کی عبادت کی نیت سے بہت کچھ کرتا ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ کونسی چیز سے اللہ راضی ہوتا ہے؟ کونسے کام اللہ کی خشیت اور تقوی کا تقاضا ہیں؟ کونسا کام اس کا متقاضی نہیں ہے، یہ طے کرنا ہمارا کام نہیں بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل اور عمل امت کے لیے ایک نمونہ ہے، آپ جب اپنے عمل کے ذریعے امت کو

رخصت سکھلا رہے ہیں تو امت کو بھی چاہیے کہ اس رخصت کو اختیار کرے اور بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے ہمیں جو سہولت دی ہے ہم اس سہولت پر خوش ہیں اور اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

٤٣٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سَلْمٍ الْعَلَوِيِّ، عَنْ أَنَسٍ رضی الله تعالیٰ عنه قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّ مَا يُوَاجِهُ الرَّجُلَ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ يَوْمًا رَجُلٌ، وَعَلَيْهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ: "لَوْ غَيَّرَ - أَوْ نَزَعَ - هٰذِهِ الصُّفْرَةَ".

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اگر کسی کی کوئی چیز ناپسند ہوتی تو اس کو سیدھا ٹوکتے نہیں تھے (یعنی براہ راست نہیں کہتے تھے، ہاں ایسے انداز سے تنبیہ فرماتے تھے جو آسان ہو) ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے کپڑوں پر زردی (یعنی پیلے رنگ کا نشان تھا) جب وہ اٹھ کر گیا تو آپ نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو وہاں موجود تھے ان کے سامنے ارشاد فرمایا کہ یہ آدمی اس کو صاف کر لیتا یا اس کو بدل لیتا تو اچھا تھا (یعنی اس کے کپڑے پر جو رنگ لگا ہوا ہے اس کو اگر بدل لیتا یا اس کو دھو کر دور کر دیتا تو مناسب تھا)۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال

تشریح: "صُفْرَة" ایک خوشبو کو کہتے ہیں جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے جس کا استعمال مردوں کے لیے مکروہ اور ناپسندیدہ ہے، ہاں عورتوں کے لیے اس کی اجازت ہے۔ آپ ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر پیلے رنگ کا نشان دیکھا

تو آپ نے براہ راست اس کو منع نہیں فرمایا، اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جانے کے بعد آپ نے دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے جو وہاں بیٹھے تھے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ظاہر ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے آپ کی اس ناپسندیدگی کو اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچا دیا ہوگا اور انہوں نے اس کے بعد کبھی نہیں پہنا ہوگا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حال تو یہ تھا کہ ان کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منشاء کا پتہ چل جاتا تو پھر وہ کبھی اس پر باقی نہیں رہ سکتے۔

ایک صحابیؓ کا اپنا مکان ڈھا دینے کا واقعہ

ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک قبہ نما مکان بنایا تھا ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذران کے مکان کے پاس سے ہوا تو آپ نے پوچھا کہ یہ قبہ نما مکان کس کا ہے؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے ان کا نام لیا کہ فلاں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت کچھ نہیں بولے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے اور وہ صحابی آئے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے بے رخی برتی، جب انہوں نے حضور کی یہ بدلی ہوئی نظریں دیکھیں تو وہ پریشان ہو گئے، انہوں نے باقی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے آج نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ ناراض محسوس کرتا ہوں؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہا کہ چند دن پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گذر آپ کے مکان کے پاس سے ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا تھا کہ یہ قبہ نما مکان کس کا ہے؟ ہم نے

جواب میں آپ کا نام لیا کہ یہ مکان آپ کا ہے، جب انہوں نے سنا کہ آپ ﷺ کی ناراضگی کی وجہ قبہ نما مکان ہے پھر تو کیا تھا، سیدھے گئے اور اس مکان کو ڈھا دیا اور پھر آکر بتایا بھی نہیں کہ آپ کی جو ناراضگی کی وجہ تھی وہ دور کر کے آیا ہوں (اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو اس طرح احسان جتلاتے کہ حضرت! آپ کو جو تکلیف تھی وہ میں نے دور کردی، آپ کے دل کا کانٹا نکال دیا) کچھ دنوں بعد جب نبیٔ کریم ﷺ کا دوبارہ وہاں سے گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ قبہ نما مکان وہاں نہیں ہے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہاں جو قبہ نما مکان تھا اس کا کیا ہوا؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بتلایا کہ وہ صحابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ کی ناگواری کو محسوس کر کے ہم لوگوں سے ناراضگی کی وجہ پوچھی، ان کو بتلایا گیا کہ ناراضگی کی وجہ یہ لگتی ہے اس پر انہوں نے فوراً جا کر اس مکان کو گرا دیا۔ یہ ہیں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کا اتباع سنت کا جذبہ۔

آج کل ہمارا مزاج تو یہ ہے کہ اگر کسی کو سیدھا کہا جائے کہ بھائی! حدیث میں یا قرآن میں اس کی ممانعت آئی ہے تب بھی نہیں مانتے اور جواب میں کہتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے مگر میں تو اسی پر قائم رہوں گا۔

بہر حال اس حدیث شریف سے یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ، آپ کا مزاج اور آپ کی تربیت کا انداز منہ در منہ ٹوکنے کا نہیں تھا، اگرچہ اس کی بھی شریعت نے اجازت دی ہے، حضور ﷺ کا یہ انداز خصوصاً صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے کافی تھا۔ تو بہر حال نبیٔ کریم ﷺ کا جو مزاج

مبارک تھا اور آپ کی طبیعت مبارکہ میں جو حیا اور شرم کا غلبہ تھا اس کے پیش نظر آپ کسی کو اس کے منہ پر نہیں ٹوکتے تھے۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِآخَرَ: يَا مُنَافِقُ، فِي تَأْوِيلٍ تَأَوَّلَهُ

٤٣٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ، وَكِلَانَا فَارِسٌ، فَقَالَ: ''انْطَلِقُوا حَتَّى تَبْلُغُوا رَوْضَةَ كَذَا وَكَذَا، وَبِهَا امْرَأَةٌ مَعَهَا كِتَابٌ مِنْ حَاطِبٍ إِلَى الْمُشْرِكِينَ، فَأْتُونِي بِهَا''، فَوَافَيْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا حَيْثُ وَصَفَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْنَا: الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ؟ قَالَتْ: مَا مَعِي كِتَابٌ، فَبَحَثْنَاهَا وَبَعِيرَهَا، فَقَالَ صَاحِبِي: مَا أَرَى، فَقُلْتُ: مَا كَذَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأُجَرِّدَنَّكِ أَوْ لَتُخْرِجِنَّهُ، فَأَهْوَتْ بِيَدِهَا إِلَى حُجْزَتِهَا وَعَلَيْهَا إِزَارٌ صُوفٌ، فَأَخْرَجَتْ، فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ: خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ، وَقَالَ: ''مَا حَمَلَكَ؟'' فَقَالَ: مَا بِي إِلَّا أَنْ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ، وَأَرَدْتُ أَنْ يَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ، قَالَ: ''صَدَقَ يَا عُمَرُ، أَوَ لَيْسَ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ''، فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ وَقَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

کوئی آدمی کسی کو اپنی سمجھ کے مطابق منافق کہے

(یعنی دوسرے کو منافق کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی ایسی وجہ ہے جو سامنے والے کے اندر پائی جاتی ہو)

ترجمہ: حضرت ابوعبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ (جو تابعی ہیں اور بڑے قاری بھی ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ نے مجھے اور حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر بھیجا، ہم دونوں گھوڑے سوار تھے۔ ہمیں یہ حکم دیا کہ فلاں مقام یعنی روضۂ خاخ میں ایک عورت تم کو ملے گی اس کے پاس حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہوا ایک خط ہے وہ لے آؤ، چنانچہ ہم نے اسی مقام پر جہاں آپ ﷺ نے فرمایا تھا اس عورت کو دیکھا کہ وہ اونٹنی پر سوار ہے فوراً اس کو ٹھہرایا اور اس کے سامان اور اونٹ کی تلاشی لی لیکن خط نہیں ملا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے ساتھی نے کہا کہ خط تو نظر نہیں آتا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ غلط بات کہہ ہی نہیں سکتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یا تو اس کو ننگا کرو یا وہ خط دے دے (جب اس نے دیکھا کہ اگر میں خط نہیں دوں گی تو واقعتاً یہ اپنی اس دھمکی پر عمل کریں گے) چنانچہ وہ اپنا ہاتھ نیفے کی طرف لے گئی وہ اون کا تہہ بند باندھے ہوئی تھی اس میں سے اس نے وہ خط نکالا، ہم وہ خط لیکر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے خیانت کی (ان کا راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی) آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں (اب حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے یہ بھی بتا دیا تھا کہ انہوں نے یہ خط کیوں بھیجا) تو حضور ﷺ نے حضرت

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا کہ میں تو مؤمن ہوں (پکا ایمان والا ہوں، میرے ایمان میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا) میں نے یہ کام اس لیے کیا کہ کہ میرا ان (مکہ والوں) پر ایک احسان ہو جائے (اور وہ میرے بچوں کو نہ چھیڑیں) اس لیے میں نے ایسا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! انہوں نے صحیح کہا، کیا یہ بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ (یہ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدریین میں سے ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ بدر والوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اس لیے فرمایا جو چاہے کرو تمہارے لیے جنت لازم ہو چکی، راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر تعارف

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بہادر تھے، عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حواری الرسول ﷺ ہیں، حواری یعنی خاص مددگار، حضور ﷺ فرماتے ہیں: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيٌّ وَحَوَارِيْ اَلزُّبيرُ، ہر نبی کا ایک خصوصی مددگار اور معاون ہوتا ہے اور میرا خصوصی مددگار حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

باب کا مقصد

کسی نے ایسا کوئی کام کیا جو شرعی اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے یعنی اس کام کے اندر نفاق کی کوئی بات پائی گئی، اس کی وجہ سے کوئی آدمی اگر ایسا کام کرنے والے کو

منافق کے لقب سے مخاطب کرتا ہے تو اس منافق کے لقب سے مخاطب کرنے والے کو معذور قرار دیا جائے گا، اگر چہ جس نے نفاق والا کام کیا ہے اس نے وہ کام اپنی کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے کیا ہو اس صورت میں وہ کام کرنے والا بھی معذور اور اسے منافق کہنے والے کو بھی معذور قرار دیا جائے گا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے حملہ کی اطلاع کے لیے خط لکھنا بظاہر اسلام کے اصولوں کے خلاف تھا، اس عمل کو دیکھ کر کوئی آدمی یوں کہے کہ یہ منافق ہے تو اس طرح کہنے کی گنجائش ہے اگر چہ ان کی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کی گئی وضاحت کے مطابق وہ حقیقت میں منافق نہیں تھے۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی واقعہ

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان اور مکہ والوں کے درمیان چند شرائط پر صلح ہوئی تھی، مکہ والوں نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے حملے کی تیاری اس طرح شروع کی کہ مکہ والوں کو اس کا پتہ نہ چلے اور اچانک حملہ کر دیا جائے تا کہ مکے والوں کی طرف سے مزاحمت اور مقاتلہ نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا بھی کی تھی کہ اے اللہ! مکے والوں کو ہماری روانگی کا پتہ نہ چلے اور دعا کے ساتھ آپ نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے انتظامات بھی کیئے کہ مکہ والوں کو مسلمانوں کے لشکر کے پہنچنے کا علم نہ ہو، اس لیے کہ اگر مکہ والوں کو اس کا پہلے سے پتہ چل جاتا تو وہ بھی جوابی تیاری کر لیتے

اور پھر ظاہر ہے دونوں لشکر ٹکراتے تو خون خرابا ہوتا، آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر مکہ والے ڈر جائیں اور گھبرا کر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں، جیسے رات کو اگر کوئی حملہ کر دے تو اس سے بچاؤ مشکل ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جنگ کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ حضور ﷺ کی عام عادت شریفہ یہ تھی کہ جنگ کی جگہ آپ بتلاتے نہیں تھے اور یہ جنگی حکمت عملی کا تقاضا بھی ہے، آج کل بھی یہی ہوتا ہے کہ پہلے سے نہیں بتایا جاتا کہ فلاں مہم پر جانا ہے۔ یہاں پر بھی نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق تفصیل نہیں بتائی، لیکن مکے والوں کی طرف سے صلح کی شرائط کی خلاف ورزی اور جو واقعات اس سے پہلے پیش آئے تھے اس کی وجہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اندازہ تھا کہ یہ مکہ مکرمہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے۔ جب آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا تو ایک صحابی حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مہاجرین میں سے ہیں، آپ اصلاً مکہ مکرمہ کے باشندے نہیں تھے، آپ کے اہل وعیال اور باقی خاندان کے لوگ مکہ میں رہتے تھے، قریش سے ان کا رشتہ داری کا تعلق نہیں تھا صرف موالات یعنی معاہدہ کا تعلق تھا، آپ مسلمان ہوئے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ جو مہاجرین ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تھے وہ صرف مرد حضرات تھے اور ان میں سے بیشتر اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے پیچھے مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہجرت کے وقت اپنے بیوی بچوں کو مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔ جب مکہ مکرمہ پر حملے کا منصوبہ بن رہا تھا تو ان کو اپنے بال بچوں کی فکر ہوئی، اس لیے کہ جب کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو حملہ آور کے جو رشتہ دار

اس ملک میں ہوتے ہیں اس ملک والے اپنی حفاظت کے لیے ان کے رشتہ داروں کو اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں تاکہ اس طرح سے حملہ کرنے والے کو روکا جا سکے۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے بال بچے بھی مکہ میں تھے ان کو اپنے بال بچوں کی فکر ہوئی، ان کے علاوہ دوسرے مہاجرین کا حال یہ تھا کہ ان کے خاندان کے لوگ مکہ میں موجود تھے، کسی کا بھائی، کسی کا باپ، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا دادا، اس لیے ان کو تو کوئی اندیشہ نہیں تھا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ جب مکہ پر حملہ ہوگا تو مکہ والے میرے بال بچوں کو قدرتی طور پر چھیڑیں گے اور میرے خاندان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے، تو میں کوئی ایسی تدبیر کروں جس سے میرے بال بچوں کا تحفظ ہو جائے، تو ان کے ذہن میں یہ تدبیر آئی کہ چونکہ مکہ والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ پر حملہ کرنے کا علم نہیں ہے تو میں خط لکھ کر ان کو اطلاع دے دوں اس طرح میرا مکہ والوں پر ایک احسان ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے، میرے اس طرح خط لکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی نقصان تو ہونے والا نہیں ہے، اور میرا کام بن جائے گا، یہ سوچ کر انہوں نے مکے والوں پر خط لکھا۔ بعض روایتوں میں خط کا مضمون بھی آیا ہے کہ ایک ایسا لشکر جورات کی طرح کالا اور سیلاب کی طرح تیزی سے چلنے والا ہے، لیکر آرہے ہیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا بھی تم پر حملہ کرتے تو بھی اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرتا چہ جائے کہ اتنا بڑا لشکر لیکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرہے ہیں، تم اپنی حفاظت کا بندوبست کرو، یہ خط لکھ کر ایک عورت کے حوالے کیا جب وہ عورت روانہ ہوگئی تو ادھر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع کر دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس عورت کی طرف روانہ کیا

اور پورا پتہ بھی بتلایا کہ وہ کہاں ملے گی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خط لیکر نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس طرح خط بھیجا تھا تو نبیٔ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے خیانت کی، ان کا راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کی آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان کی گردن اڑا دوں؟ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کے اس خط کو بھیجنے کی وجہ بھی بتلا دی تھی، حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور پوچھا کہ بھائی! تم نے ایسا کیوں کیا؟ کہا کہ میں تو مؤمن ہوں، پکا ایمان والا ہوں، میرے ایمان میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا، میں نے محض اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کی خاطر یہ سب کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے عذر کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ انہوں نے صحیح کہا اور پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدر والوں کو فرما دیا گیا ﴿اِعْمَلُوْا مَاْ شِئْتُمْ﴾ جو چاہے کرو تمہارے لیے جنت لازم ہو چکی، حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدریین میں سے ہیں بدر والوں نے اللہ کے لیے جو قربانیاں دی تھیں ان کی وجہ سے اللہ نے اپنی خوشی بھی ہمیشہ کے لیے ان کو عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے لیے خوشنودی کا اعلان فرما دے تو آئندہ اس بندے سے ایمان کو ختم کرنے والا کوئی کام صادر ہو ہی نہیں سکتا ہاں ذراسی کوتاہی ہو، پھر اس پر ندامت ہو سکتی ہے۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

بَابُ مَنْ قَالَ لِأَخِيهِ: يَا كَافِرُ

٤٤٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "أَيُّمَا رَجُلٌ قَالَ لِأَخِيهِ: كَافِرٌ، فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا".

کسی کا اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہنا

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو (یعنی کوئی مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کو) کافر کہتا ہے تو گویا ان میں سے کسی ایک پر یہ جملہ لوٹتا ہے۔

تشریح: کسی کو کافر کہنا، اس سلسلے میں فقہاء نے بھی بہت زیادہ احتیاط کی تاکید فرمائی ہے، کسی مسلمان کو کافر کہنا بہت خطرناک چیز ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ آپ کسی کو کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر قرار دے رہے ہیں کہ اگر اس کی کہی ہوئی بات کے سو مطلب بن سکتے ہوں اور ان میں سے ننانوے مطلب ایسے ہوں جن کی وجہ سے اس کو کافر کہا جا سکتا ہو اور ایک مطلب ایسا ہو جس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوتا تو پھر بھی اس کی تکفیر نہیں کریں گے۔ گویا کسی مسلمان کی تکفیر یعنی اس کو کافر قرار دینے کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط برتی گئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نصوص میں، حدیث میں اس سلسلے میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ یہ تو اس وقت ہے کہ جو بات اس نے کہی ہے اس کے سو مطلب ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اس نے کیا مطلب لیا؟ ہاں اگر وہ خود ہی بتلا دے کہ میں نے جو کہا اس سے میری مراد یہ تھی اور وہ جو مراد لے رہا ہے وہ

وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہوجاتا ہے تو پھر اس کی تکفیر کی جاسکتی ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کافر کہا گیا ہے واقعتاً وہ اپنے کسی قول اور فعل کی وجہ سے کافر ہوچکا ہے تب تو وہ بات جو کہی جارہی ہے وہ اپنی جگہ پر درست ہے اور وہ کافر ہے ہی اور اگر وہ اپنے کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر نہیں ہے تو اس صورت میں یہ جملہ کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے گویا ایسا جملہ کہنے والا خود کفر کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ شوافع میں سے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، احناف میں سے علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اسی طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی ایسے آدمی کو جو کفر کا حق دار نہیں ہے کافر کہے تو کہنے والا خود ہی ایسا کہنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے اور اگر کافر کہنے سے اس کی مراد تکفیر کی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی بہر حال یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس سے بچنے کی اشد ضرورت ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تو ایک مثال سے اس کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ بھائی! تکفیر اور لعنت ایسی چیزیں ہیں کہ جس کے لیے استعمال کی گئیں اگر وہ ان کا حق دار ہے تب تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہیں۔ اس کی مثال ایک ربڑ کی گیند کی طرح ہے کہ اگر اسے نرم جگہ کی طرف پھینکا جائے جو اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تب تو ٹھیک ہے اور اگر اس میں قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو جس قوت سے پھینکی گئی تھی اسی قوت سے وہ گیند واپس آپ کی طرف لوٹ کر آئے گی، تکفیر کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

٤٤١ - حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ دَاوُدَ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، أَنَّ نَافِعًا حَدَّثَهُ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنهما وعنهم أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِذَا قَالَ لِلْآخَرِ: كَافِرٌ، فَقَدْ كَفَرَ أَحَدُهُمَا،

إِنْ كَانَ الَّذِي قَالَ لَهُ كَافِرًا فَقَدْ صَدَقَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَمَا قَالَ لَهُ فَقَدْ بَاءَ الَّذِي قَالَ لَهُ بِالْكُفْرِ".

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کوئی ایک تو ضرور کفر میں مبتلا ہوتا ہے اگر جس کو کافر کہا گیا ہے اس میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے (یعنی واقعتاً اس نے زبان سے ایسی کوئی بات کہی ہے یا کوئی ایسا کفریہ کام کیا ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو جاتا ہے) تب تو کہنے والے نے صحیح کہا اور اگر ایسا نہیں ہے تو یہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹتا ہے (گویا اس کا وبال اس پر پڑتا ہے)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کسی کو کافر کہنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ لعنت کو بھی اسی قبیل سے قرار دیا گیا ہے، لعنت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بددعا دینا، چونکہ بددعا بھی اسی قبیل سے ہے اس لیے بددعا دینے کے معاملے میں بھی بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، جس کو بددعا دی جارہی ہے اگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ایسی بددعا کا اہل ہے پھر تو ٹھیک ہے ورنہ بددعا دینے والے کو اس کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے، اسی لیے عام طور پر جو لوگ اپنی زبان سے اس طرح کے کلمات کثرت سے نکالتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ اسی طرح پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔

بَابُ شَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ

٤٤٢ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ سُوءِ الْقَضَاءِ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ .

دشمن کے خوشی منانے سے پناہ

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ بری تقدیر سے اور دشمنوں کے خوشیاں منانے سے پناہ مانگتے تھے۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ اپنی دعاؤں میں جہاں بہت ساری چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے وہاں ان دو چیزوں سے بھی پناہ مانگتے تھے۔

نمبر ایک بری تقدیر سے یعنی تقدیر میں کوئی ایسا فیصلہ ہوجائے جس کی وجہ سے ہمیں غضب اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بھائی! اس دعا سے کیا اثر پڑے گا؟ اس لیے کہ تقدیر میں جولکھا ہے اس میں تو کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے؟ تو اس کا جواب علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ اس دعا سے یہ ہوگا کہ مثلاً اگر کسی کے لیے اس کی تقدیر میں بیماری کا فیصلہ ہو چکا ہے تو دعا کی وجہ سے وہ تو بدلنے والا نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس بیماری کے آنے پر بھی اس کے لیے ایسے حالات پیدا کریں گے جس میں اس کو صبر کی توفیق ملے گی اور اس کا معاملہ ایسا رہے گا کہ یہ بیماری بھی اس کے حق میں رحمت بن جائے گی۔

دوسرے نمبر پر دشمنوں کے خوشیاں منانے سے پناہ مانگی گئی ہے، اس کا مطلب یہ کہ عام طور پر دشمن تو خوشی اس وقت مناتا ہے جب ہمیں کوئی تکلیف پہنچے یا ہمارے اوپر پریشان کن حالات آئیں، تو گویا اللہ تعالیٰ سے اس بات کی پناہ چاہی گئی کہ اے اللہ! ہمارے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہ ہو جس کو دیکھ کر ہمارے دشمنوں کو خوشیاں منانے کا

موقع ملے اس سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ ایسی دعاء کا بھی آدمی کو اہتمام کرنا چاہیے۔

بَابُ السَّرَفِ فِي الْمَالِ

٤٤٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ”إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، يَرْضَى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا، وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللهُ أَمْرَكُمْ، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ“.

مال کے اندر فضول خرچی

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے لیے تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ راضی ہوتا ہے وہ یہ ہیں صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، تمہارے امور کا جس کو اللہ نے ذمہ دار بنایا ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا۔ اور تین چیزیں جو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں۔ قیل وقال یعنی ادھر ادھر کی بیجا باتیں کرنا، کثرت سے سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو مسلمانوں کے لیے پسند کیا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے، جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بندۂ مؤمن کے لیے پسند کیا ہے ایسی چیزوں کو اختیار کرنے اور اپنانے کا اہتمام کرنا چاہیے اور

جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے ان سے اپنے آپ کو بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
پہلی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پسند کیا ہے وہ اللہ ہی کی عبادت اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مل جل کر عمل کریں اور اتفاق اور اتحاد کے ساتھ رہیں۔ تیسری چیز یہ ہے کہ جس کو اللہ نے تمہارے امور کا ذمہ دار بنایا ہو یعنی تمہارے اوپر جو نگران ہو اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرو۔

اور تین چیزیں جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ناپسند کرتا ہے وہ یہ ہیں، نمبر ایک قیل وقال سے منع کیا گیا ہے۔ قیل وقال کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض لوگ ہر وقت دوسروں کے معاملے میں لگے رہتے ہیں یعنی دوسروں کے حالات کو کریدتے رہتے ہیں، ان کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں کہ فلاں کا کیا ہوا؟ فلاں کا کیا ہوا؟ قیل وقال کا دوسرا مطلب فضول بحث ومباحثہ کرنا ہے اس کو بھی ناپسند کیا گیا ہے۔ دوسری چیز: بہت زیادہ سوالات یعنی فضول سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ سے حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یا دوسرے لوگ سوال کیا کرتے تھے، اکثر اوقات تو ضرورت کی چیز پوچھی جاتی تھی اور بہت سی مرتبہ فضول قسم کے سوالات بھی ہوا کرتے تھے، اس پر قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَسْئَلُوا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ اے ایمان والو! ایسی چیزوں کا سوال نہ کیا کرو کہ اگر تمہارے سامنے ان کو واضح کیا جائے تو تمہیں ناگوار گذرے۔ بہر حال اس کے بعد حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ ﷺ سے سوالات کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ بہت زیادہ سوال کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ

ایسے فضول سوالات کیئے جائیں جن سے دین اور دنیا دونوں کا کوئی فائدہ نہ ہو جیسے کوئی یہ پوچھے کہ یزید کی نجات ہوگی یا نہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جب مجھے اپنی نجات کے متعلق یقین نہیں ہے تو اس کی نجات کے متعلق کیا جواب دوں؟ کثرت سوالات کا ایک اور مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی آدمی لوگوں سے مانگتا رہے، ویسے بھی کسی سے مانگنے یا سوال کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی اب اگر کوئی آدمی کثرت سے لوگوں سے مانگتا رہتا ہو تو ایسے آدمی کے لیے حدیث میں وعید آئی ہے کہ جو شخص سوالات کرتا رہتا ہے یعنی لوگوں سے مانگتا رہتا ہے اسے قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا۔ تیسری چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے وہ مال کو ضائع کرنا ہے یعنی مال کو ایسی جگہ خرچ کرنا جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

یہاں اسراف اور فضول خرچی کی ممانعت کے متعلق بتانے کے لیے اس روایت کو پیش کیا۔

اسراف اور تبذیر میں فرق

ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کے بارے میں دو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ایک ہے اسراف، دوسرا تبذیر، بعض حضرات نے دونوں کا ایک ہی معنی بیان کیا ہے اور بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، نافرمانی اور گناہ کے کام میں مال خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں، تبذیر کا لفظ قرآن کریم میں بھی ہے ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ﴾ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

یعنی تبذیر کرنے والے اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اگر مال کسی جائز کام میں خرچ کرتا ہے لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت پندرہ بیس روپے میں پوری ہوجاتی ہے تو وہاں دوسوخرچ کرتا ہے، یا کھانے کی ضرورت ایک مقررہ مقدار سے پوری ہوسکتی ہے اور وہ اس مقدار سے زیادہ کھانا بنا کر یا خرید کر اس کھانے کو ضائع اور برباد کرتا ہے، تو اس کو اسراف سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے وضو میں ہر عضو کو تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے اور اگر چار مرتبہ دھوئے گا تو اس سے پانی ضرورت سے زیادہ خرچ ہوگا اس کو اسراف قرار دیا گیا ہے یہ بھی گناہ ہے۔

٤٤٤ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَاسَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ الْمُلَائِيِّ، عَنِ الْمِنْهَالِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنهم، فِي قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ قَالَ: فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ، وَلَا تَقْتِير.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بدل عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والے ہیں، لیکن بندہ جب خرچ کرے تو اس وقت نہ تو فضول خرچی کرے اور نہ ہی بخل سے کام لے۔

تشریح: راویٔ حدیث حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو مفسر قرآن ہیں، قرآن کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص مہارت عطا فرمائی تھی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لیے دعا بھی کی تھی: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْه الْكِتَابَ وَفَقِّهْه فِي

الدِّیْنِ کہ اے اللہ! ان کو کتاب اللہ کا علم دیجیے اور دین کی سمجھ عطا فرمائیے، اسی لیے تفسیر قرآن کے سلسلے میں ان سے بہت ساری چیزیں منقول ہیں، اس حدیث میں بھی قرآن کریم کی آیت ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے خرچ کا حکم دیا ہے چاہے اپنی ضرورتوں میں خرچ کرو یا اپنے گھر والوں پر یا دوسری جگہوں پر اس کا اللہ تعالیٰ معاوضہ اور بدل دیگا لیکن دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ ضرورت سے کم خرچ نہ کرے اور دوسری شرط یہ کہ خرچ ضرورت سے زیادہ بھی نہ ہو، ضرورت کے مطابق خرچ کرے گا تو گویا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کا بدل دے گا۔

بَابُ الْمُبَذِّرِينَ

٤٤٥ - حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سَلَمَةَ، عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ، عَنْ أَبِي الْعُبَيْدَيْنِ قَالَ: سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ عَنِ الْمُبَذِّرِينَ، قَالَ: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي غَيْرِ حَقٍّ.

فضول خرچی کرنے کی ممانعت

دو لفظ عربی میں آتے ہیں، ایک ہے اسراف، دوسرا ہے تبذیر، دونوں الفاظ کے معانی میں علماء کرام نے فرق کیا ہے لیکن بعض علماء کرام نے دونوں کا معنیٰ ایک ہی قرار دیا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو العبیدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ مبذرین کون ہیں؟ قرآن میں آیا ہے ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ کہ مبذرین شیاطین کے بھائی ہیں (فرمایا کہ جو ناحق جگہ پر مال خرچ

کریں (یعنی جہاں شریعت نے خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی مثلاً گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا تبذیر ہے)۔

٤٤٦ - حَدَّثَنا عَارِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ: حَدَّثَنا حُصَيْنٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، سُئِلَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم: ﴿الْمُبَذِّرِينَ﴾ الإسراء:، قَالَ: الْمُبَذِّرِينَ فِي غَيْرِ حَقٍّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مبذرین کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مبذرین وہ ہیں جو ناحق جگہ پر مال خرچ کریں۔

تشریح: مال کو ناحق جگہ پر خرچ کرنے کی تو اجازت قطعاً ہے ہی نہیں ایک پائی بھی خرچ نہیں کی جاسکتی اور جہاں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو وہاں بھی ضرورت کے مطابق خرچ کرے، ضرورت سے زائد خرچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

بَابُ إِصْلَاحِ الْمَنَازِلِ

٤٤٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ رضى الله تعالىٰ عنه يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَصْلِحُوا عَلَيْكُمْ مَثَاوِيكُمْ، وَأَخِيفُوا هَذِهِ الْجِنَّانَ قَبْلَ أَنْ تُخِيفَكُمْ، فَإِنَّهُ لَنْ يَبْدُوَ لَكُمْ مُسْلِمُوهَا، وَإِنَّا وَاللهِ مَا سَالَمْنَاهُنَّ مُنْذُ عَادَيْنَاهُنَّ.

اپنے مکانات کو درست کرنا

ترجمہ: حضرت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ

غلام ہیں) وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممبر پر یہ بات فرمایا کرتے تھے اے لوگو! اپنے ٹھکانوں (یعنی اپنی رہائش گاہوں) کو ٹھیک رکھو اور یہ کہ جنان کو ڈراؤ اس سے پہلے کہ وہ تم کو ڈرائیں (یعنی ان کی طرف سے ڈرانے کی صورتیں پیدا ہوں اس سے پہلے تم ان کو مکان سے نکال دو) اس لیے کہ ان میں جو مسلمان ہیں وہ تو تمہارے سامنے ظاہر نہیں ہوں گے، اللہ کی قسم جب سے ہم نے ان کے ساتھ دشمنی کی ہے آج تک صلح نہیں کی (یعنی ان کے ساتھ جب سے ہماری عداوت ہوئی آج تک صلح کی نوبت نہیں آئی)۔

گھر میں نکلنے والے سانپوں کو مارنے کا طریقہ

تشریح: حدیث شریف میں ایک لفظ جنان آیا ہے، یہ جان کی جمع ہے اور جان چھوٹے سفید رنگ کے سانپوں کو کہتے ہیں جو مکانات کے اندر رہائش اختیار کرتے ہیں، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ جن ہیں جو سانپ کی شکل میں آتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے اگر اس طرح کے سانپ جو جن ہوا کرتے ہیں اور سانپ کی شکل اختیار کرتے ہیں اگر مکان میں نظر آئیں تو پہلے ان کو متنبہ کیا جائے، چنانچہ ابوداود وغیرہ کی روایتوں میں ہے کہ اس طرح اگر کوئی جن سانپ کی شکل میں نظر آئے تو اس کو یاددہانی کرائی جائے کہ میں اس عہد و پیمان کو تجھے یاد دلاتا ہوں جو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا اس عہد و پیمان کے واسطے سے کہتا ہوں کہ تم ہمارے مکان کو چھوڑ دو یعنی یہاں سے چلے جاؤ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین روز تک ان کو اس طرح تنبیہ کی جائے اس کے بعد بھی نہ جائے تو اس کو مار دیا جائے۔ بعض حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس سلسلے میں یہ بھی منقول ہے کہ اس طرح تنبیہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن بہت

سارے حضرات نے اس کو مستحب قرار دیا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ایک ارشاد ہے جو آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اس طرح اگر گھر میں یہ سانپ ظاہر ہوتے ہیں تو ان کو متنبہ کیا جائے اور متنبہ کرنے کے بعد بھی اگر وہ نہیں جاتے تو ان کو مار دیا جائے اور ان کے انتقام سے ڈر کر ان کو چھوڑا نہ جائے۔ بعض جنات سانپ کی شکل میں آتے ہیں تو بعض حضرات یوں کہتے ہیں کہ اگر انکو مارا جائے گا تو وہ انتقام لیں گے تو نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ انتقام کے ڈر سے باز رہنے کی ضرورت نہیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مکانوں کو اس انداز سے رکھو کہ اس میں ان سانپوں کو رہنے کا موقع نہ ملے۔ اگر کسی مکان میں اس طرح سانپ ظاہر ہوں تو آپ اپنی طرف سے ان کو متنبہ کریں اور تنبیہ کے باوجود نہ جائیں تو پھر ان کو مار ڈالیں۔

بَابُ النَّفَقَةِ فِي الْبِنَاءِ

٤٤٨ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، إِلَّا الْبِنَاءَ.

تعمیرات میں خرچ کی جانے والی رقم کے بارے میں شریعت کا حکم

ترجمہ: حضرت خباب ابن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو شروع میں اسلام لائے تھے اور اسلام کی خاطر بہت ساری اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں) فرماتے ہیں کہ آدمی اپنی ہر ضرورت کی چیز میں خرچ کرتا ہے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف

سے اجر ملتا ہے، ثواب ملتا ہے، سوائے تعمیرات میں خرچ کرنے کے۔

تشریح: اس سے پہلے یہ روایت آچکی ہے کہ اپنے کھانے اور اپنے پوشاک کے لیے جو خرچ کرے گا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے البتہ تعمیر میں جو خرچ کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب نہیں ملتا۔ تعمیر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ وہ تعمیر جو سردی، گرمی اور بارش سے بچانے کے لیے کی ہے اس میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس پر تو کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں ہوگی اور اگر تعمیر کا مقصد نمائش ہے، فخر و مباحات ہے، اپنی بڑائی ظاہر کرنا اور مال کی نمائش کرنا ہے تو اس صورت میں اس پر یہ وعید آئی ہے یعنی اس پر گرفت ہوگی۔

بَابُ عَمَلِ الرَّجُلِ مَعَ عُمَّالِهِ

٤٤٩ - حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصِ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ وَهْبٍ الطَّائِفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا غُطَيْفُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، أَنَّ نَافِعَ بْنَ عَاصِمٍ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو رضی اللہ تعالیٰ عنهما وعنهم قَالَ لِابْنِ أَخٍ لَهُ خَرَجَ مِنَ الْوَهْطِ: أَيَعْمَلُ عُمَّالُكَ؟ قَالَ: لَا أَدْرِي، قَالَ: أَمَا لَوْ كُنْتَ ثَقَفِيًّا لَعَلِمْتَ مَا يَعْمَلُ عُمَّالُكَ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيْنَا فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا عَمِلَ مَعَ عُمَّالِهِ فِي دَارِهِ - وَقَالَ أَبُو عَاصِمٍ مَرَّةً: فِي مَالِهِ - كَانَ عَامِلًا مِنْ عُمَّالِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

آدمی کا اپنے کارندوں کے ساتھ کام کرنا

ترجمہ: حضرت نافع ابن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہوں حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن

العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے بھتیجے کو کہہ رہے تھے جو مقام وھط سے آرہا تھا (وھط طائف کے قریب ایک بڑی جگہ ہے جہاں کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ ہیں) انہوں نے اپنے بھتیجے سے پوچھا کہ تمہارے کارندے کام میں لگے ہوئے ہیں؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے پتہ نہیں، اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تو ثقفی ہوتا (یعنی قبیلۂ ثقیف سے تعلق رکھنے والا ہوتا) تو تمہارے کارندے جو کام کر رہے ہیں ان کا تمہیں پتہ ہوتا (یعنی ایسی چیزوں سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے، ایک آدمی فلکٹرے ی کا، کھیتی باڑی کا یا کسی بڑی دکان کا مالک ہے تو اسے اپنے یہاں کام کرنے والے لوگوں سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان پر اس کی نگاہ ہونی چاہیے) اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا آدمی اپنی زمین میں، اپنے کام میں اپنے کارندوں کے ساتھ خود بھی جب کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کارندوں میں سے ایک کارندہ ہوتا ہے۔

تشریح: آدمی کو اپنے کارندوں کے ساتھ خود بھی کام میں لگنا چاہیے، ایک آدمی فلکٹری کا مالک ہے، فلکٹری میں جہاں اس کے مزدور کام کرتے ہیں، کوئی کام کبھی خود بھی کر لیا کرے، ایک آدمی کھیتی باڑی والا ہے کھیتی باڑی میں اس کے مزدور کام کرتے ہیں تو پہلے تو یہ کہ اس کو اس کام سے واقفیت بھی رکھنی چاہیے، یعنی اس کو اس کام سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ کبھی کبھار اس کام میں حصہ بھی لے لینا چاہیے۔ یعنی اگرچہ وہ تو آپ کے مزدور ہیں مگر تم اللہ تعالیٰ کے مزدور ہو۔ تو گویا اللہ تعالیٰ جو روزی دے رہا ہے ہمیں بھی اللہ کی طرف سے دی جانے والی اس روزی کو حاصل کرنے کے لیے تھوڑا بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، یوں سمجھے کہ یہ میرے مزدور ہیں اور میں اللہ کا مزدور ہوں، خود بھی کچھ نہ کچھ کام میں حصہ لینا چاہیے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کام سے واقفیت ہوتی ہے اور جو آدمی اپنے کام کی نوعیت سے واقف ہوتا ہے تو پھر عام طور اسے گھاٹا اٹھانے کی نوبت نہیں آتی۔

بَابُ التَّطَاوُلِ فِي الْبُنْيَانِ

٤٥٠ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ''.

تعمیرات کے اندر آپس میں مقابلہ کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ تعمیرات میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے۔

تشریح: تعمیرات میں ایک دوسرے کا مقابلہ کریں گے اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں نے ایسا مکان بنایا ہے میں اس سے بڑھیا مکان بناؤں، گویا مکانوں کو بنانے کے معاملے میں ایک دوسرے سے مقابلہ ہوگا۔ ہاں ضرورت کے لیے جو مکان بنایا جاتا ہے اس کی ممانعت نہیں ہے۔ جو مکان دکھلاوا، نمائش اور فخر ومباحات کے طور پر بنایا جاتا ہے اس کی ممانعت ہے۔

اس زمانے کے لحاظ سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد میں بھی اس طرح تعمیر میں زیادہ غلو کرنے سے منع فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

(نَهىٰ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ زُخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ) مساجد کو اس طرح بنانا کہ وہ مزین ہوں اس سے منع کیا ہے۔تو پھر اپنے گھروں کے بارے میں تو کیا حکم ہوگا ؟ اور ساتھ ہی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بہرحال زمانے کے حالات کے پیش نظر جیسے لوگ اپنے گھروں کو تعمیر کرتے ہیں مساجد کے معاملے میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے اگر مسجدیں اس طرح بالکل معمولی سی ہوں گی اور گھر تو بہت بڑھیا ہوں گے تو کسی کا جی مسجد میں نہیں لگے گا۔ حضرت شاہ صاحب آگے فرماتے ہیں کہ بھائی! ہم جس ملک میں رہتے ہیں اگر ہمارے یہاں بھی اسی طرح گھاس پھونس اور چھپر کی مسجدیں ہوتیں جیسے قدیم زمانے میں تھیں تو ساری مسجدیں ختم کردی جاتیں اگر مسجدیں مضبوط ہوں گی تو ان کو ختم نہیں کرسکیں گے۔

٤٥١ - اَخبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا حُرَيْثُ بْنُ السَّائِبِ قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ: كُنْتُ أَدْخُلُ بُيُوتَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فَأَتَنَاوَلُ سُقُفَهَا بِيَدِي .

ترجمہ: حضرت حریث بن سائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنے بچپن میں نبیٔ کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجروں میں جاتا تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں تو میں ان کی چھتوں کو اپنے ہاتھوں سے چھولیا کرتا تھا۔

تشریح: ازواج مطہرات کے مکانات کتنے معمولی اور سادہ ہوں گے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تو بچے تھے اور ان مکانات کی چھت کتنی نیچی ہوگی کہ ایک بچہ اپنے چھوٹے قد کے

باوجود اپنا ہاتھ اونچا کر کے اس کو چھو سکتا تھا۔

٤٥٢ - وَبِالسَّنَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: رَأَيْتُ الْحُجُرَاتِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ مَغْشِيًّا مِنْ خَارِجٍ بِمُسُوحِ الشَّعْرِ، وَأَظُنُّ عَرْضَ الْبَيْتِ مِنْ بَابِ الْحُجْرَةِ إِلَى بَابِ الْبَيْتِ نَحْوًا مِنْ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ أَذْرُعٍ، وَأَحْزِرُ الْبَيْتَ الدَّاخِلَ عَشْرَ أَذْرُعٍ، وَأَظُنُّ سُمْكَهُ بَيْنَ الثَّمَانِ وَالسَّبْعِ نَحْوَ ذَلِكَ، وَوَقَفْتُ عِنْدَ بَابِ عَائِشَةَ فَإِذَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَغْرِبَ.

ترجمہ وتشریح: حضرت عبد اللہ رحمہ اللہ حضرت داؤد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے مکانوں کے بیرونی آنگنوں کو دیکھا ان کی جو دیواریں تھیں وہ کھجور کی ٹہنیوں سے بنی ہوئی تھیں ان کے اوپر بال کے بنے ہوئے ٹاٹ ڈال دیئے گئے تھے (تاکہ اندر کے سوراخ بند ہو جائیں اور اندر کی چیزیں نظر نہ آئیں) اور میرا خیال ہے کہ گھر کی چوڑائی اور جو صحن کا دروازہ تھا وہاں سے لیکر مکان کے دروازے تک (آنگن کے اوپر بھی چھوٹی چھوٹی دیوار ہوتی تھی) وہ تقریباً چھ یا سات ہاتھ کے برابر تھی (ڈیڑھ فٹ کا ایک ہاتھ شمار کیا جائے تو گویا نو دس فٹ) اور اندر کا جو کمرہ تھا (جس میں رہائش ہوتی تھی وہ تقریباً دس ہاتھ یعنی پندرہ فٹ) اور ان کی اونچائی یعنی ان کی چھت سات یا آٹھ ہاتھ کے برابر تھی (بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ان کی چوڑائی کے متعلق بتلاتے ہیں یعنی لمبائی دس ہاتھ تھی اور چوڑائی سات سے لیکر آٹھ ہاتھ) اور فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے دروازے کے پاس کھڑا رہا تو وہ مغرب کی طرف تھا۔

تشریح ازواج مطہرات کے مکانات کھجور کی ٹہنیاں کھڑی کر کے دیواریں بنائی گئیں تھیں، اب ظاہر ہے کہ جب صرف ٹہنیاں کھڑی کردی گئی تھیں تو اس میں جو دراڑیں یا سوراخ ہوں گے جن سے اندر کی چیزیں نظر آسکتی ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کا دروازہ مسجد نبوی کی طرف کھلتا تھا، جو لوگ مسجد نبوی ﷺ میں گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ریاض الجنۃ والے حصے میں اگر آدمی نماز پڑھے تو بائیں ہاتھ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کا دروازہ ہے، مسجد نبوی میں قبلہ کی سمت جنوب کی طرف ہے اور حجرے کا دروازہ مغرب کی طرف کھلتا ہے۔

٤٥٣ - وَبِالسَّنَدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مَسْعَدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ الرُّومِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ طَلْقٍ فَقُلْتُ: مَا أَقْصَرَ سَقْفَ بَيْتِكِ هَذَا؟ قَالَتْ: يَا بُنَيَّ إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَتَبَ إِلَى عُمَّالِهِ: أَنْ لَا تُطِيلُوا بِنَاءَكُمْ، فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ أَيَّامِكُمْ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام طلق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان میں داخل ہوا تو میں نے کہا کہ تمہارے گھر کی چھت کتنی نیچی ہے، تو فرمایا کہ: اے بیٹے! امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کارندوں کو لکھا ہے کہ اپنے گھر کی عمارتوں کو اونچا مت بناؤ، اس لیے کہ عمارت کا اونچا بننا تمہارے لیے بہت برے زمانے کی علامت ہے (گویا عمارتوں کا بڑا بننا یہ برے دن کی علامت شمار ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی کچے مکانات بنانے کا بڑا اہتمام تھا)۔

بَابُ مَنْ بَنَى

٤٥٤ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ،

عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ سَلَّامِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، عَنْ حَبَّةَ بْنِ خَالِدٍ، وَسَوَاءَ بْنِ خَالِدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُعَالِجُ حَائِطًا أَوْ بِنَاءً لَهُ، فَأَعَانَاهُ.

اپنی ضرورت کے لیے عمارت بنانا

ترجمہ: حضرت سلام بن شرحبیل رحمہ اللہ تعالیٰ (تابعی ہیں) نے حضرت حبہ بن خالد اور سواء بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ یہ دونوں حضرات نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس وقت آپ خود اپنے مکان کی دیوار ٹھیک کر رہے تھے، ان حضرات نے اس کام میں حضور ﷺ کی مدد کی (یعنی آپ ﷺ کا تعاون کیا، اب ظاہر ہے جو دیوار اپنے ہاتھ سے درست کی جائے وہ کتنی اونچی ہوگی، آدمی کے قد سے زیادہ اونچی تو نہیں ہوسکتی)۔

تشریح: تعمیرات کو آپس میں مقابلہ، تفاخر، دکھلاوا اور نمائش کے لیے بڑھانے کی شریعت مطہرہ میں ممانعت ہے، اگر کوئی آدمی بقدر ضرورت عمارت بنائے تو اس کی اجازت ہے، اس کو بتلانے کے لیے یہ حدیث لائے ہیں۔

٤٥٥ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى خَبَّابٍ نَعُودُهُ، وَقَدِ اكْتَوَى سَبْعَ كَيَّاتٍ، فَقَالَ: إِنَّ أَصْحَابَنَا الَّذِينَ سَلَفُوا مَضَوْا وَلَمْ تُنْقِصْهُمُ الدُّنْيَا، وَإِنَّا أَصَبْنَا مَا لَا نَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابَ، وَلَوْلَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَنْ نَدْعُوَ بِالْمَوْتِ لَدَعَوْتُ بِهِ.

٤٥٦ - ثُمَّ أَتَيْنَاهُ مَرَّةً أُخْرَى، وَهُوَ يَبْنِي حَائِطًا لَهُ، فَقَالَ: إِنَّ الْمُسْلِمَ يُؤْجَرُ فِي كُلِّ شَيْءٍ يُنْفِقُهُ إِلَّا فِي شَيْءٍ يَجْعَلُهُ فِي التُّرَابِ.

ترجمہ: حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے (وہ بیمار تھے ان کو ناسور کی شکایت تھی) انہوں نے اپنی بیماری کے علاج کے لیے سات داغ لگوائے، وہ کہنے لگے کہ ہمارے ساتھی دنیا سے رخصت ہوئے وہ ایسی حالت میں دنیا سے گئے کہ دنیا نے ان کے آخرت کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی، اور ہمارے پاس اتنا مال ہوگیا کہ اس کو رکھنے کے لیے سوائے مٹی کے اور کوئی جگہ نہیں تھی (روایتوں میں ہے کہ اس زمانے میں وہ کچھ مکانات تعمیر کررہے تھے، مکان کی تعمیر کو انہوں نے مٹی سے تعبیر کیا، گویا وہ پیسہ مٹی میں ڈال رہے ہیں) اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو موت کی دعا کرنے سے منع نہ کیا ہوتا تو میں موت کی دعا کرتا (اس بیماری کی وجہ سے بڑی تکلیف میں تھے، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے موت کی دعا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور موت کی دعا کرتا) راوی کہتے ہیں کہ ہم دوبارہ ان کی (یعنی حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی) خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے مکان کی دیوار تعمیر کررہے تھے اور فرمایا کہ مسلمان اپنی ضرورتوں کے لیے جو خرچ کرے گا اس پر اجر وثواب ملتا ہے سوائے اس رقم کے جو مٹی میں ڈالتا ہے (یعنی مکان کی تعمیر میں)۔

تشریح: اس روایت میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، یہ ان کے آخری زمانے کا قصہ ہے، اس وقت ان کے پاس فتوحات کی وجہ سے مال کی کثرت تھی، اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا اور آج ہم دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ اس وقت انہوں نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد کیا کہ وہ غزوۂ احد میں ایسی حالت میں شہید ہوئے کہ ان کے کفن کے لیے جو

چادر تھی وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر ان کے سر کو چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے، پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔

تین چیزیں

(۱) نیک عمل کا بدلہ ضرور ملتا ہے اگر دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع بالکل نہیں ملا ہے تو اس نیک عمل کا بدلہ آخرت کی نعمتوں کی شکل میں دیا جائے گا، اور اگر دنیا میں بھی کچھ فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے تو گویا دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے اس عمل نے اس کو آخرت میں ملنے والے اجر میں کمی کر دی۔ بعض بزرگوں کے حالات میں آتا ہے کہ ایک بزرگ فقر و فاقہ کی وجہ سے پریشان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ فقر و فاقہ دور ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور فقر و فاقہ دور ہو گیا، ایک دن خواب دیکھا کہ موتیوں کا بنا ہوا ایک محل ہے صرف ایک موتی کی کمی ہے بتایا گیا کہ یہ آپ کا محل ہے، تو پوچھا کہ اس میں ایک موتی کی کمی کیوں ہے؟ جواب ملا کہ آپ نے دعا کی تھی فقر و فاقہ دور ہو جائے، وہ دعا قبول ہو گئی تھی تو موتی کا عوض دنیا میں مل گیا۔ تو کہا کہ مجھے نہیں چاہیے اسی کو باقی رکھا جائے۔

(۲) بدرجۂ مجبوری لوہے کو گرم کر کے علاج کے طور پر داغ لگا کر استعمال کرنے کی گنجائش ہے، ہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا ضرورت شدیدہ اس علاج کے اختیار کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔

(۳) اپنی ضرورتوں کے لیے مال خرچ کرتے وقت اس کے دل میں اگر احتساب کی کیفیت ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے مال خرچ

کرر ہا ہے۔اس غرض سے اگر وہ خرچ کرر ہا ہے تو اس پر اس کو ثواب ملے گا۔

٤٥٧ - حَدَّثَنَا عُمَرُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو السَّفَرِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا أُصْلِحُ خُصًّا لَنَا، فَقَالَ: ''مَا هَذَا؟'' قُلْتُ: أُصْلِحُ خُصَّنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ: ''الْأَمْرُ أَسْرَعُ مِنْ ذَلِكَ''.

ترجمه وتشریح: حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میں اپنا جھونپڑا (کھجور کی ٹہنیوں کو کھڑا کر کے اس پر مٹی لیپ کر دیوار بنائی جاتی ہے اس کو خص کہتے ہیں یعنی جھونپڑا) ٹھیک کرر ہا تھا، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا کرر ہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اپنا جھونپڑا درست کرر ہا ہوں تو اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا معاملہ اس سے بھی زیادہ تیز ہے (مطلب یہ ہے کہ موت تو اس سے بھی پہلے آسکتی ہے تم تو یہ جھونپڑا اس لیے درست کرر ہے ہو کہ اس سے فائدہ اٹھاؤ ہوسکتا ہے کہ اس درستگی کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی موت آجائے اس لیے ضرورت تو یہ ہے کہ اس سے پہلے اس کی تیاری آدمی کو کرنی چاہیے)۔

بَابُ الْمَسْكَنِ الْوَاسِعِ

٤٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ وَقَبِيصَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ خَمِيلٍ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِ الْحَارِثِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمَسْكَنُ

الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ .

کشادہ مکان کی فضیلت

ترجمہ: حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی کی خوش بختی کی علامتوں میں سے ایک علامت کشادہ مکان ہے اور نیک پڑوسی اور اچھی سواری۔

تین چیزیں خوش بختی کی علامت ہیں

تشریح: (۱) کشادہ مکان جس سے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی ہوں یعنی ضرورتوں کے پورے ہونے کے معاملے میں کوئی تنگی نہ ہو، مکان کی وسعت پسندیدہ ہے اور اس کو حدیث میں سراہا گیا ہے۔

(۲) اچھا پڑوسی جو آدمی کو راحت پہنچاتا ہو اور ایذاء رسانی سے بچاتا ہو یعنی اس کے ذریعے اس کے پڑوس والوں کو راحت پہنچتی ہو ایسا پڑوسی بھی آدمی کی خوش بختی کی علامت ہے۔

(۳) سواری کا جانور بڑھیا ہو جس کی وجہ سے سوار ہونے کی حالت میں کسی مشقت اور تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے، کسی کے پاس ایسی موٹر ہے کہ سوار ہوئے اور خراب ہوگئی بار بار بگڑتی جا رہی ہے تو پوچھو جن کی سواریاں بگڑتی ہیں ان کا کیا حال ہوتا ہے؟ بہرحال اچھی سواری بھی آدمی کی خوش بختی کی علامت ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کشادہ مکان بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت ہے، اوپر کی روایتوں کی وجہ سے کسی کو خیال آسکتا ہے کہ مطلقاً اچھے مکان کو آپ ﷺ نے

پسند نہیں فرمایا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس باب کو قائم کر کے اس خیال کو دور فرمارہے ہیں کہ حدیث شریف میں کشادہ مکان کو آدمی کی خوش بختی میں سے شمار کیا گیا ہے۔

بَابُ مَنِ اتَّخَذَ الْغُرَفَ

٤٥٩ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ نِبْرَاسٍ أَبُو الْحَسَنِ، عَنْ ثَابِتٍ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ أَنَسٍ بِالزَّاوِيَةِ فَوْقَ غُرْفَةٍ لَهُ، فَسَمِعَ الْأَذَانَ، فَنَزَلَ وَنَزَلْتُ، فَقَارَبَ فِي الْخُطَا فَقَالَ: كُنْتُ مَعَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَمَشَى بِي هٰذِهِ الْمِشْيَةَ وَقَالَ: أَتَدْرِي لِمَ فَعَلْتُ بِكَ؟ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَى بِي هَذِهِ الْمِشْيَةَ وَقَالَ: ”أَتَدْرِي لِمَ مَشَيْتُ بِكَ؟“ قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ”لِيَكْثُرَ عَدَدُ خُطَانَا فِي طَلَبِ الصَّلَاةِ.

بالاخانہ بنانے کی اجازت

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ تعالیٰ (یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی شاگرد اور خادم ہیں) فرماتے ہیں کہ: میں مقام زاویہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ایک بالاخانے پر تھا (اس سے معلوم ہوا کہ بالاخانہ بھی استعمال کے لیے بنایا جاسکتا ہے) اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کی آواز سنی وہ مسجد جانے کے لیے اترے اور ان کے ساتھ میں بھی اترا، وہ چلنے میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھارہے تھے، انہوں نے حضرت ثابت رحمہ اللہ سے کہا کہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ بھی ایک جلیل القدر صحابی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی لکھوانے کا کام ان سے لیا کرتے تھے اور علم فرائض میں صحابہ میں ان کو خصوصی اور امتیازی حیثیت حاصل تھی، فقہاء اور قراء صحابہ میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے) کے ساتھ ایک مرتبہ

جارہا تھا وہ بھی اسی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر مسجد کی طرف جارہے تھے، مجھے کہنے لگے کہ تمہیں معلوم ہے میں یہ چھوٹے چھوٹے قدم کیوں اٹھا رہا ہوں؟ اور اس کی وجہ بتلائی کہ ایک مرتبہ میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسجد کی طرف جارہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ معلوم ہے میں یہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تمہیں کیوں لے جارہا ہوں؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، کہا کہ نماز کے لیے ہم جارہے ہیں تو نماز کے لیے جاتے وقت ہمارے قدموں کی تعداد بڑھ جائے (اس لیے کہ جتنے قدم اٹھائیں گے اسی حساب سے اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب ملے گا)۔

تشریح: غُرُفٌ یہ غُرْفَةٌ کی جمع ہے بالا خانہ، منزل کو کہتے ہیں یعنی ایسا مکان جو ذرا اونچائی پر بنا ہوا ہو، قدیم زمانے میں ایسے مکانات ہوتے تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں دوسری منزل کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

واقعتاً کسی کا مکان دور ہے تو اس کے لیے تو مسجد جانے پر زیادہ ثواب ہے ہی، لیکن اگر کسی کا مکان قریب ہے تو اس کے لیے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ وہ مسجد جانے کے لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھائے تاکہ قدموں کی تعداد کے مطابق اس کو اجر و ثواب ملے۔

حدیث شریف سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دو منزلہ مکان بنانے کی اجازت ہے۔

بَابُ نَقْشِ الْبُنْيَانِ

٤٦٠ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْفُدَيْكِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَحْيَى، عَنِ ابْنِ أَبِي هِنْدَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنھم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

”لَاتَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَبْنِيَ النَّاسُ بُيُوتًا، يُشَبِّهُونَهَا بِالْمَرَاحِلِ“ . قَالَ إِبْرَاهِيمُ: يَعْنِي الثِّيَابَ الْمُخَطَّطَةَ .

عمارتوں پر نقش ونگار کرنا

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگ نقش ونگار اور بیل بوٹے والے کپڑوں کے مشابہ مکانات تعمیر کریں گے۔

تشریح: عمارت کا مقصد رہائش ہوتا ہے، عمارتوں کے اوپر نقش ونگار یہ زائد چیز ہے اور اس سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے یعنی قیامت کے نزدیک لوگ اپنی عمارتوں پر نقش ونگار کا اہتمام کریں گے گویا یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے اسی لیے اس کو یہاں پر ذکر کیا گیا ہے۔

٤٦١ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم: اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ:”لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“، وَكَتَبَ إِلَيْهِ: إِنَّهُ كَانَ يَنْهَى عَنْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ. وَكَانَ يَنْهَى عَنْ عُقُوقِ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدِ الْبَنَاتِ، وَمَنْعٍ وَهَاتِ .

ترجمہ وتشریح: حضرت ورادرحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ نے کوئی بات سنی ہو تو وہ مجھے لکھ کر بھیجیں، چنانچہ ان کی اس فرمائش پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہ بات لکھ کر بھیجی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے (لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنِ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور سارے اختیارات اور حکومت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اے اللہ! تو جو عطا کرے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی نصیب والے کو اس کا نصیب تجھ سے ہٹ کر فائدہ نہیں دے سکتا (یعنی کوئی کتنا ہی صاحب حیثیت ہو وہ حیثیت اور مرتبہ اللہ کے مقابلے میں اس کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیل وقال سے منع فرمایا کرتے تھے (یعنی فضول گفتگو اور بحث ومباحثہ جس میں آدمی اپنے وقت کو ضائع اور برباد کرے اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا) اور کثرت سوال سے منع فرمایا (یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی لوگوں سے مانگتا پھرے اس سے منع فرمایا) اور مال کو ضائع کرنے سے منع کیا اور ماؤں کی نافرمانی سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے (ویسے تو ماں ہو یا باپ کسی کی بھی نافرمانی کی شریعت اجازت نہیں دیتی لیکن عام طور پر آدمی باپ کے مقابلے

میں ماں کی نافرمانی پر زیادہ جری ہوا کرتا ہے، باپ کی سزا، سختی اور گرفت کا ڈر ہوتا ہے جبکہ ماں کی طرف سے یہ خطرہ نہیں ہوتا اس لیے خاص طور پر ماں کا تذکرہ کیا) اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی نبیٔ کریم ﷺ منع فرمایا کرتے تھے (زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو اپنے لیے عار سمجھا جاتا تھا جب لڑکیاں پیدا ہوتی تھیں تو زندہ ہی دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے اس سے منع فرمایا) اور دوسروں کے حقوق روکنے سے اور ناحق اپنے حق کے مطالبے سے منع کیا۔

تشریح: بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت سوالات کرتے رہتے ہیں، قرآن میں باری تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَسئَلُوا عَن اَشیَآءَ اِن تُبدَ لَکُم تَسُؤکُم﴾ اے ایمان والو! ایسے سوالات نہ کیا کرو کہ تمہارے سامنے اگر وہ ظاہر کیا جائے تو تمہیں ناگوار ہو۔

اگر کسی آدمی کے ذمہ دوسروں کے حقوق ہیں ان کو روکے یعنی انہیں ادا نہ کرے اس سے نبیٔ کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے اور جس چیز پر اپنا حق نہیں ہے اس کے مطالبے سے بھی نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

یہاں اس روایت کو اسی لیے لائے ہیں کہ عمارتوں پر نقش ونگار کرنا گویا اپنے مال کو ضائع کرنا ہے اور اس سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

٤٦٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَنْ يُنَجِّي أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُ"، قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ

قَالَ: ”وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَاغْدُوا وَرُوحُوا، وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا (یعنی نجات تو اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوگی، عمل تو ایک علامت اور ذریعہ ہے ورنہ حقیقت میں نجات دینے والی چیز تو اللہ کا فضل ہے) صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلائے گا؟ کہا کہ نہیں مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے (عمل جب نجات کے معاملے میں مؤثر نہیں ہے بلکہ مؤثر تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے) اس لیے عمل کے معاملے میں میانہ روی اختیار کرو (اور میانہ روی کامل طور پر تو اختیار نہیں کر سکتے) کم از کم اس کے قریب ہونے کی کوشش کرو، صبح کے وقت کچھ چلو، شام کے وقت چلو، اندھیرے کے کچھ حصے میں اور میانہ روی اختیار کرو تو تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔

نشاط کے اوقات میں اعمال کا اہتمام کریں

تشریح: آخرت کے لیے عمل کرنے والوں کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسافر کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اپنی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے، جیسے وہ مسافر نشاط کے اوقات میں اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے اور باقی اوقات میں کچھ آرام کر لیتا ہے مسلسل سفر کو جاری نہیں رکھتا، اس لیے کہ اگر وہ مسلسل سواری کو چلاتا رہے تو مسافر اور اس کی سواری دونوں تھک جائیں گے اور منزل تک پہنچنے میں تاخیر ہوگی، اُس زمانہ میں عام طور پر نشاط کے اوقات میں اونٹوں پر سفر کیا جاتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسے ایک مسافر دن کے شروع حصے میں سورج کی گرمی بڑھنے سے پہلے سفر کرتا ہے اور جب

سورج چڑھ جاتا ہے اور اس کی تپش بڑھ جاتی ہے تو وہ ٹھہر جاتا ہے اور آرام کر لیتا ہے پھر جب زوال کے بعد کا وقت شروع ہوتا ہے اور گرمی کم ہوتی ہے تو پھر وہ دوبارہ سفر شروع کر دیتا ہے اور غروب سے کچھ دیر پہلے ٹھہر جاتا ہے، پھر رات کے ابتدائی حصے میں سفر کرتا ہے، جیسے ایک مسافر سفر کے جاری رکھنے کے معاملے میں اپنے نشاط کے اوقات کو استعمال کرتا ہے اسی طرح اعمال کے سلسلے میں گویا نبیٔ کریم ﷺ تاکید فرماتے ہیں کہ آپ اپنے نشاط کے اوقات میں اعمال کا اہتمام کریں یہ نہیں کہ چوبیس گھنٹے آدمی عبادت میں لگا ہوا ہے، یا یہ کہ مختلف عبادتوں کے ذریعے سے اپنی طبیعت کو نشاط میں لاتا رہے، اس لیے کہ ایک ہی طرح کی عبادت کرنے سے طبیعت میں نشاط اور فرحت ختم ہو کر اکتاہٹ پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر عبادت کی جنس اور نوع بدل دی جائے تو پھر دوبارہ نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب آخرت کے اعمال کے معاملے میں غلو اور حد سے آگے بڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں بھی غلو نہیں کرنا چاہیے یعنی اپنی عمارتوں اور مکانوں کو سادہ رکھا جائے اور بے جا نقش و نگار اور اسراف سے پرہیز کرنا چاہیے۔

بَابُ الرِّفْقِ

٤٦٣ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنها زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ

عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَوَ لَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”قَدْ قُلْتُ: وَعَلَيْكُمْ“.

نرمی کا بیان

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے (السلام علیکم کے بجائے) السام علیکم کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان کی شرارت کو سمجھ گئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تم پر موت ہو اور تم پر اللہ کی لعنت ہو (یہودی کی حرکت پر ان کو غصہ آ گیا اور ان الفاظ سے ناراضگی ظاہر کی جیسے اینٹ کا جواب پتھر) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! ذرا ٹھہرو (یعنی سکون اور صبر سے کام لو) اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی کو پسند کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! انہوں نے کیا کہا آپ نے نہیں سنا؟ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ یہ سمجھیں کہ شاید حضور ﷺ نے ان کی بات صحیح طور پر نہیں سنی اس لیے مجھے ٹوک رہے ہیں، اگر حضور ﷺ بھی اس کا مطلب سمجھ جاتے تو میرے اس جواب کو شاید ناگوار نہ سمجھتے) تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی تو جواب میں انہیں علیکم کہا (یعنی جو بات تم نے مجھے کہی وہ تم پر ہو) اسی لیے ان کی طرف سے اس قسم کے الفاظ اگر سلام میں کہے جائیں تو اس کے جواب میں علیکم کہنا چاہیے۔

تشریح: سلام کا معنی ہے سلامتی اور سام عربی زبان میں موت کو کہتے ہیں السام علیکم یعنی تم کو موت ہو نعوذ باللہ، یہ بددعا کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن السلام علیکم اور السام علیکم دونوں جملوں کے الفاظ چونکہ سننے میں ایک جیسے ہیں اس لیے کبھی سننے والے کو مغالطہ ہو جاتا ہے اور بولنے والا السام بول رہا ہوتا ہے اور سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ اسے سلام کیا گیا ہے۔ یہودی اس طرح کی حرکتیں اور شرارتیں کرتے رہتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی جب وہ پہنچے تو بجائے السلام علیکم کہنے کے السام علیکم کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی شرارت کو میں سمجھ گئی کہ وہ سلام نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ السام علیکم کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بددعا دے رہے ہیں، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس سے زیادہ سخت الفاظ یہودیوں کو کہے جیسا کہ مشہور کہاوت ہے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا۔

حدیث سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ نرم خوئی، یعنی لوگوں کے ساتھ سختی کی بجائے نرمی سے پیش آنا شریعت کی نگاہ میں زیادہ پسندیدہ ہے اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہے۔ دیکھئے یہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود بددعا کے ساتھ مخاطب کر رہے ہیں اس پر جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سخت رویہ اپنایا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرما کر نرمی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔

٤٦٤ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ هِلَالٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضى الله تعالىٰ عنهما وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو نرم خوئی سے محروم رکھا گیا (یعنی جس کے مزاج میں نرمی نہیں ہے) گویا وہ ہر طرح کی خیر سے محروم ہے (یہ نرم خوئی یعنی اس کے مزاج میں نرمی کا ہونا یہ بہت پسندیدہ چیز ہے اور اس کی وجہ سے آدمی بہت ساری خیر و برکات سے مالا مال ہوا کرتا ہے)۔

٤٦٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَإِنَّ اللهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ.

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس آدمی کو نرمی کا حصہ ملا (یعنی نرم خوئی اس کے مزاج میں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ چیز اس کو ملی ہے) گویا اس کو بڑا حصہ بھلائی کا ملا، اور جس کو نرم خوئی سے محروم رکھا گیا (یعنی جس کو نرم خوئی کا حصہ نہیں ملا) گویا بہت بڑی خیر سے وہ محروم رہا (اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے مزاج میں نرمی پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے) قیامت کے روز مؤمن کے ترازوئے اعمال کے اندر جو چیز سب سے زیادہ وزنی ہوگی وہ حسن اخلاق ہے اس کی وجہ سے نامۂ اعمال میں وزن پیدا ہوگا اور اللہ تبارک وتعالیٰ فحش گو اور منھ پھٹ انسان کو ناپسند کرتے ہیں، (اللہ تعالیٰ نے بدکلامی کو بھی ناپسند فرمایا ہے)۔

٤٦٦ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ وَاسْمُهُ أَبُو بَكْرٍ مَوْلَى زَيْدِ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ

أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَتْ عَمْرَةُ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا جو باوقار اور بامروت لوگ ہیں ان کی غلطیوں سے درگذر کرو۔

تشریح: آپ ﷺ اس حدیث سے عام لوگوں کو نصیحت فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ جن کا معاشرے میں کچھ مقام ہے، لوگوں کی نگاہوں میں باعزت سمجھے جاتے ہیں، اگر کبھی ان کی طرف سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کو برا سمجھا جاتا ہے تو پھر اس کو اچھالنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس سے درگذر کرنا چاہیے۔ یا پھر نبیٔ کریم ﷺ حکام کو کہہ رہے ہیں کہ آپ کے پاس ایسے لوگوں کا کوئی معاملہ آئے جو سماج اور معاشرے میں اچھے سمجھے جاتے ہوں یعنی صاحب حیثیت، باوقار، بااثر اور بارسوخ ہوں تو حکام کو چاہیے کہ ان کی غلطی سے درگذر کریں، درگذر کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے کوئی ایسی سزا جو دوسرے کے لیے بھی ہے تجویز نہ کریں۔ لیکن یہ درگذر کرنے کا حکم صرف ان سزاؤں میں ہے جن میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے۔ ہاں جن جرائم میں خود شریعت کی طرف سے کوئی سزا مقرر ہے اس میں کسی کی کوئی رعایت نہیں کی جانی چاہیے۔ مثلاً کسی نے زنا کا ارتکاب کیا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سزا مقرر ہے، چوری کا ارتکاب کیا اس پر ایک سزا مقرر ہے تو اس میں تو کسی کی رعایت نہیں کی جائیگی، بلکہ سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا۔

قبیلۂ بنومخزوم کی عورت کا واقعہ

اس بارے میں حدیث شریف میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ بنومخزوم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ مخزومیہ تھا چوری کے معاملے میں پکڑی گئی اور اس پر حد جاری کرنے کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا، یہ چیز لوگوں کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی باعث بنی اس لیے کہ قبیلۂ بنومخزوم قریش کا بہت باعزت قبیلہ سمجھا جاتا تھا، اس قبیلے سے تعلق رکھنے والی کسی عورت کا ہاتھ کاٹا جانا پورے قبیلے کے لیے ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا، تو لوگوں میں مشورہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفارش کی جائے اور اس سزا کو رکوایا جائے، اس کے لیے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاڈلے، جن کا لقب [حِب الرسول] تھا ان کو اس کے لیے تیار کیا گیا اور لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس عورت کی سزا رکوانے کی سفارش کریں، چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے، آپ کا چہرۂ انور غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ہوگیا اور پھر ان سے کہا: (اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ) اے اسامہ! کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں میں سے ایک سزا میں کمی کرنے کی سفارش لیکر آئے ہو؟ پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرِقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھا) اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اَعَاذَھَا اللّٰہُ مِنْھَا) چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان میں اگر کوئی کم حیثیت شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزاؤں والے گناہوں میں

سے کسی گناہ کا ارتکاب کرتا تو اسے شریعت کی طرف سے اس گناہ کے لیے مقرر کردہ سزا دی جاتی اور کوئی بڑا آدمی ایسی حرکت کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔

حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب فیصلہ

ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تعزیر کے متعلق ایک واقعہ سناتے تھے کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تین آدمی لائے گئے جن کا ایک ہی طرح کا جرم تھا، ایک کو تو انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ لیا اور دوسرے کو کہا: اچھا اور تیسرے کو ذرا پٹوایا بھی، لوگوں نے کہا کہ آپ نے ایک ہی قسم کے جرم پر الگ الگ سزائیں کیوں دیں؟ کہا کہ جاؤ ان کی حالت معلوم کرو، جس کو حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا تھا معلوم ہوا کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے، یعنی اس کے لیے یہ چیز بھی بہت بھاری تھی اور جس کو ذرا ڈانٹا تھا اس کے متعلق معلوم ہوا کہ اس کی حالت خراب ہے اور وہ تیسرا جس کی پٹائی کروائی تھی وہ گھوم پھر رہا ہے۔ بہر حال حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ تعزیر یعنی حاکم کو جن سزاؤں کے معاملے میں اختیار دیا جاتا ہے انہیں جاری کرتے وقت اس گناہ کے مرتکب شخص یعنی مجرم کے حالات کو مدنظر رکھے۔

٤٦٧ - حَدَّثَنَا الْغُدَانِيُّ أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَابِتٌ، عَنْ أَنَسٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَا يَكُونُ الْخُرْقُ فِي شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ، وَإِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ سختی (مزاج کا اکھڑپن کسی چیز میں نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کوعیب لگا تا ہے (کسی معاملہ میں آدمی سخت رویہ اپنا تا ہے جس کی وجہ سے اس میں عیب پڑ جا تا ہے) اور اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے (اس لیے آدمی کو ہر چیز میں نرم خوئی کا رویہ اپنانا چاہیے)۔

٤٦٨ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَرْزُوقٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم قَالَ: كَانَ رَسُولُ الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ ایک کنواری لڑکی جو اپنے پردے کے اندر ہو اس سے بھی زیادہ باحیاء تھے اور جب آپ کسی چیز کو ناپسند سمجھتے تھے تو ہم اس کو آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کرتے تھے۔

تشریح: پرانے زمانہ میں کنواری لڑکیوں کے لیے گھر میں ایک الگ سے کمرہ پورے گھر کے مقابلے میں زیادہ محفوظ بنایا جاتا تھا اس کو خدر کہتے ہیں، ایسی لڑکی جب اپنے کمرے میں ہوتی ہے تو اس پر حیاء کا غلبہ اور زیادہ ہوتا ہے۔

جب کسی کا کوئی رویہ، کوئی بات یا عمل نبیٔ کریم ﷺ کو ناپسند ہوتا تھا اس کا اثر آپ کے چہرۂ انور پر ظاہر ہوتا تھا۔

اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے زبانی طور پر تو کوئی اظہار نہیں کیا یہ گویا آپ کے نرم رویہ اور نرم خوئی کا نتیجہ تھا لیکن اس کے باوجود اس غلط حرکت کا اثر آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کیا گیا۔

٤٦٩ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ قَابُوسَ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله تعالىٰ عنهما وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الْهَدْيُ الصَّالِحُ، وَالسَّمْتُ، وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا بہترین طریقہ، اچھا طور طریق اور میانہ روی نبوت کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔

تشریح: زندگی گذارنے کے لیے ایک اچھا انداز، اچھی روش اپنانا اس کو ھدْیٌ کہتے ہیں اور سَمْتٌ کا مطلب بھی اچھا طریقہ اور اچھی روش ہے اور الاِقْتِصادُ کا معنی میانہ روی کے ہے، یعنی زندگی کے ہر شعبے میں چاہے وہ عبادت کا ہو یا معاشرت کا آدمی ایسا طریقہ اپنائے کہ نہ اس میں افراط ہو اور نہ ہی تفریط بلکہ میانہ روی ہو، آدمی کسی کے سامنے جو غصے کا اظہار کرتا ہے اس میں بھی افراط سے کام نہیں لینا چاہیے۔

٤٧٠ - حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمِقْدَامِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا وعنهم قَالَتْ: كُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ فِيهِ صُعُوبَةٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:"عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سوار تھی جس کے مزاج میں اڑیل پن تھا (یعنی وہ زیادہ اچھی طرح نہیں چلتا تھا، جب سواری کا جانور اچھی طرح نہ چلتا ہو تو سوار کو اس کی بار بار پٹائی کرنی پڑتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس کو چلانے کے لیے اس کے ساتھ ذرا سختی کا معاملہ کر رہی تھیں) اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ٹو کا اور فرمایا: نرمی سے کام لو (یعنی اس جانور کو پیٹنے کی بجائے ذرا چمکار کر چلانے کی کوشش کرو) اس لیے کہ نرمی جہاں بھی کسی چیز میں آئے گی اس کی وجہ سے اس کی رونق بڑھ جائے گی (اس میں خوبی پیدا ہو جائے گی) اور جس چیز میں سے نرمی نکال لی جائے گی اس میں عیب پیدا ہو جائے گا۔

تشریح: کوئی بھی رویہ، کوئی طور طریق، کوئی انداز ہو اگر اس میں نرمی ہے تو وہ اس کے لیے خوبی کا ذریعہ بنتا ہے اور سخت رویہ اس کے لیے عیب کا ذریعہ بنتا ہے۔

٤٧١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَقَطَعُوا أَرْحَامَهُمْ، وَالظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ وتشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم شح سے بچو (شح بخل اور حرص کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ آدمی کو کسی چیز کی لالچ ہو اور لالچ کے ساتھ بخل بھی ہو کہ اس کو حاصل کرنے کی اس کے اندر طلب ہے لیکن اس کے حصول کے لیے جو قربانی دینی چاہیے وہ اس کے لیے تیار نہیں ہے تو گویا ایسے حرص اور لالچ کے مجموعے سے نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے) ایسی برائی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا تھا انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کے خون بہائے اور رشتہ داریوں کے حقوق کو ضائع کیا (اس لیے کہ آدمی کسی چیز کا حق ادا کیے بغیر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تو آپس میں ٹکراؤ ہوگا جس کے نتیجے

میں خون بہانے کی نوبت آئے گی اور آپس کے تعلقات اس سے متأثر ہوں گے) اورظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں نمودار ہوگا (گویا دنیا میں کوئی آدمی ظلم اور زیادتی سے کام لے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اس عمل کو قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں اس کے سامنے ظاہر فرمائیں گے)۔

بَابُ الرِّفْقِ فِي الْمَعِيشَةِ

٤٧٢ - حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ كَثِيرِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَقَالَتْ: أَمْسِكْ حَتَّى أَخِيطَ نَقْبَتِي فَأَمْسَكْتُ فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، لَوْ خَرَجْتُ فَأَخْبَرْتُهُمْ لَعَدُّوهُ مِنْكِ بُخْلًا، قَالَتْ: أَبْصِرْ شَأْنَكَ، إِنَّهُ لَا جَدِيدَ لِمَنْ لَا يَلْبَسُ الْخَلَقَ .

گذر بسر میں آدمی اپنے لیے سہولت کا راستہ اختیار کرے

ترجمہ: حضرت کثیر بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا کہ ٹھہر جاؤ میرا پائجامہ پھٹا ہوا ہے میں اس کو ذرا درست کرلوں اس کے بعد تم کو آنے کی اجازت دوں گی (ویسے آپ پردے کی آڑ میں رہتی تھیں لیکن وہ ایک کام میں مشغول تھیں اس مشغولی کی وجہ سے گویا اس وقت ان کو روکا) میں ٹھہر گیا اس کے بعد جب اجازت ملنے پر حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اگر میں باہر جا کر لوگوں کو بیان کروں کہ ام المؤمنین پھٹے ہوے پائجامے کو سی کر استعمال کرتی ہیں تو لوگ آپ کے حق میں بخل شمار کریں گے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا نے فرمایا کہ دیکھ لو (یعنی تم جو سوچ رہے تھے کو لوگوں کو کہوں گا تو دیکھ لو سوچ لو) جو آدمی پرانا کپڑا نہیں پہنتا اس کو نئے کپڑے پہننے کی لذت حاصل نہیں ہوتی (جو روزانہ نئے کپڑے پہنتا رہتا ہے اس کو نئے کپڑے کی وجہ سے جو ایک مسرت اور خوشی ہونی چاہیے وہ نہیں ہوتی، خوشی تو اس کو ہوگی جو کپڑے کو استعمال کر کے پرانا کر دے اور اس کے اندر پیوند لگائے)۔

تشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کپڑے کو سی کر استعمال کرنا یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ فتوحات کی وسعت ہو چکی تھی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے لوگ کثرت سے بڑی بڑی رقمیں ہدیے میں بھیجتے تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی عادت کے مطابق آنے والی ساری رقوم لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں، اپنی ضروریات کا بھی خیال نہیں کرتی تھیں، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بہت بڑی رقم آئی سب تقسیم کر دی، خادمہ نے کہا کہ آج تو آپ کا روزہ تھا، شام کو افطار کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، گھر میں دو چار پیسے رہنے دیے ہوتے، تو کہا کہ پہلے سے بتلایا ہوتا۔ ان کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ گھر میں ضرورت ہے۔ بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاکید فرمائی کہ کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر مت چھوڑو جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگ جائے یعنی پیوند لگانے کے بعد اس کا استعمال چھوڑ دیں۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر ایسی پابندیاں عائد نہ کرے کہ جس کی وجہ سے خود ہی تنگی میں پڑ جائے مثلاً استری شدہ کپڑے ہوں گے تبھی پہنوں گا ورنہ نہیں پہنوں گا، اللہ تبارک وتعالیٰ حالات کی مناسبت سے جیسا نصیب فرمائیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کو استعمال کیا جائے گویا ایسا اہتمام کرنا کہ

وہ اہتمام طبیعت کے لیے مشقت کا ذریعہ بن جائے پسندیدہ نہیں۔

بَابُ مَا يُعْطَى الْعَبْدُ عَلَى الرِّفْقِ

٤٧٣ - حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ" وَعَنْ يُونُسَ، عَنْ حُمَيْدٍ مِثْلَهُ.

نرم خو بندے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نرم خو ہیں اور نرم خوئی (یعنی مزاج کی نرمی) کو پسند کرتے ہیں اور مزاج کی سختی پر اللہ تعالیٰ وہ نہیں دیتے جو نرم خوئی پر دیتے ہیں۔

تشریح: نبیٔ کریم ﷺ اپنے ارشاد کے ذریعے امت کو تاکید فرمارہے ہیں، تعلیم وتربیت فرمارہے ہیں کہ اپنے مزاج میں نرمی پیدا کرو اور نرم خوئی کی عادت ڈالو، مزاج کی سختی اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

بَابُ التَّسْكِينِ

٤٧٤ - حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا.

لوگوں کوسکون اور اطمینان دلانا

ترجمہ وتشریح: حضرت ابوالتیاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے لیے آسانی کرو، ان کو مشقت اور دشواری میں مت ڈالو (خاص کر جو لوگ ارباب اقتدار ہیں یعنی جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے معاملات حوالے کئے ہیں انہیں تاکید ہے کہ لوگوں کے ساتھ نرم رویہ اپنائیں اور سختی نہ کریں) اور لوگوں کو سکون اور اطمینان دلاؤ (یعنی ایسی بات مت کرو جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو، آپس میں شقاق ونفاق اور اختلاف وافتراق کی نوبت آئے)۔

٤٧٥ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله تعالیٰ عنهما وعنهم قَالَ: نَزَلَ ضَيْفٌ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، وَفِي الدَّارِ كَلْبَةٌ لَهُمْ، فَقَالُوا: يَا كَلْبَةُ، لَا تَنْبَحِي عَلَى ضَيْفِنَا فَصِحْنَ الْجِرَاءُ فِي بَطْنِهَا، فَذَكَرُوا لِنَبِيٍّ لَهُمْ فَقَالَ: إِنَّ مَثَلَ هَذَا كَمَثَلِ أُمَّةٍ تَكُونُ بَعْدَكُمْ، يَغْلِبُ سُفَهَاؤُهَا عُلَمَاءَهَا .

ترجمہ وتشریح: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے ایک گھرانے میں مہمان آئے ان کے محلے میں ایک کتیا رہتی تھی جو رات کو بھونکتی تھی، میزبان نے کتیا سے کہا کہ اے کتیا! آج بھونکنا مت (مہمان آئے ہیں ان کی نیند میں خلل پڑے گا اس لیے ذرا سکون سے رہنا رات کو شور مت کرنا) کتیا تو نہیں بھونکی اس کے پیٹ میں بچے تھے انہوں نے شور مچایا (اور

مہمان کی نیند میں خلل ڈالا) تو اس زمانے میں جو نبی تھے ان کے سامنے اس گھرانے والوں نے اس واقعے کا تذکرہ کیا اس پر ان نبی نے کہا یہ تو ایسا ہی ہے جیسا ایک امت تمہارے بعد آنے والی ہے (یعنی امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس میں ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ اس کے کم عقل یعنی جاہل اس کے علماء پر یعنی عقلمندوں پر غالب آئیں گے (جیسا یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا کہ کم عمری کی وجہ سے چونکہ سمجھ بھی کم ہوتی ہے، بچوں کی ماں تو مہمانوں کے احترام میں خاموش رہی لیکن ان بچوں نے اس کا کوئی خیال نہیں کیا)۔

بَابُ الْخُرْقِ

٤٧٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنها تَقُولُ: كُنْتُ عَلَى بَعِيرٍ فِيهِ صُعُوبَةٌ، فَجَعَلْتُ أَضْرِبُهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، فَإِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.

مزاج کی سختی

ترجمہ وتشریح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں ایک اونٹ پر سوار تھی اور اس کے مزاج میں اکھڑ پن تھا (وہ اونٹ سوار کے کہنے کے مطابق چلتا نہیں تھا، اس کے مزاج میں اڑیل پن تھا تو اس کو چلانے کے لیے میں اس کی کوڑے کے ذریعے پٹائی کرتی تھی) اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تاکید فرمائی کہ نرمی سے کام لو (یعنی اونٹ کو مت مارو، چمکار کر اس کو

چلانے کی کوشش کرو) اس لیے کہ نرم خوئی اور نرمی جہاں کسی چیز میں آتی ہے اس کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس میں سے نرمی نکال دی جائے اس کو عیب لگ جاتا ہے (گویا نرمی ہر چیز میں خوبی کا ذریعہ بنتی ہے)۔

٤٧٧ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ: قَالَ رَجُلٌ مِنَّا يُقَالُ لَهُ: جَابِرٌ أَوْ جُوَيْبِرٌ: طَلَبْتُ حَاجَةً إِلَى عُمَرَ فِي خِلَافَتِهِ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيْلًا، فَغَدَوْتُ عَلَيْهِ، وَقَدْ أُعْطِيتُ فِطْنَةً وَلِسَانًا - أَوْ قَالَ: مِنْطَقًا - فَأَخَذْتُ فِي الدُّنْيَا فَصَغَّرْتُهَا، فَتَرَكْتُهَا لَا تَسْوَى شَيْئًا، وَإِلَى جَنْبِهِ رَجُلٌ أَبْيَضُ الشَّعْرِ أَبْيَضُ الثِّيَابِ، فَقَالَ لَمَّا فَرَغْتُ: كُلُّ قَوْلِكَ كَانَ مُقَارِبًا، إِلَّا وَقُوعَكَ فِي الدُّنْيَا، وَهَلْ تَدْرِي مَا الدُّنْيَا؟ إِنَّ الدُّنْيَا فِيهَا بَلَاغُنَا - أَوْ قَالَ: زَادُنَا - إِلَى الْآخِرَةِ، وَفِيهَا أَعْمَالُنَا الَّتِي نُجْزَى بِهَا فِي الْآخِرَةِ، قَالَ: فَأَخَذَ فِي الدُّنْيَا رَجُلٌ هُوَ أَعْلَمُ بِهَا مِنِّي، فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي إِلَى جَنْبِكَ؟ قَالَ: سَيِّدُ الْمُسْلِمِينَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ.

ترجمہ: حضرت ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک آدمی تھے جن کا نام جابر یا جویبر تھا انہوں نے یہ بات بیان کی کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اپنی ایک ضرورت لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے گیا اور رات کے وقت مدینہ منورہ پہنچا (چونکہ رات کے وقت ملاقات کرنا مناسب نہ سمجھا اس لیے ٹھہر گیا) صبح کے وقت امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بڑی سوجھ بوجھ اور چرب زبانی یا گفتگو کا انداز عطا ہوا تھا (یعنی میں بڑا زیرک ہوشیار اور بولنے میں بہت تیز وطرار تھا) اور اپنی حاجت پیش کرنے کے دوران دنیا کی اتنی برائی کی کہ

اس کو ایک دم بے حیثیت بنا دیا (گویا اپنی گفتگو سے دنیا کا بے حیثیت ہونا ثابت کیا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر میں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، ان کے بال بھی سفید تھے اور انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب میں اپنی بات پوری کر چکا تو وہ بزرگ بولے کہ تیری سب باتیں ٹھیک تھیں لیکن تو نے دنیا کی اتنی برائی کی اتنی برائی کہ بالکل اس کو بے وقعت بناڈالا یہ بات ٹھیک نہیں ہے، جانتے ہو دنیا کیا ہے؟ (دنیا ہی سے تو ہماری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اس کو تم اس طرح حقیر بتلاؤ گے تو کیسے بات بنے گی، دنیا کا کچھ نہ کچھ تو لحاظ کرنا ہی پڑے گا) دنیا ہی کے ذریعے ہم آخرت کے لیے توشہ تیار کرتے ہیں (دنیا نہ ہو تو آخرت کا توشہ کیسے تیار ہوگا) اور دنیا ہی میں رہ کر اپنے ان اعمال کو انجام دیتے ہیں جن کا بدلہ ہمیں قیامت میں ملے گا (جنت کی شکل میں، تو گویا جنت کا حصول بھی دنیا پر موقوف ہے، دنیا نہ ہوتی تو جنت کیسے ملتی) راوی کہتے ہیں گویا دنیا کی بات ایک ایسے شخص بیان کرنے لگے جو دنیا کی حقیقت کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب میں ان کی بات سن چکا تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! یہ شخص جو آپ کے برابر میں بیٹھے ہیں جنہوں نے یہ ساری باتیں کہیں یہ کون ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ مسلمانوں کے سردار حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت اُبَیُ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختصر حالات

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بہت احترام کرتے تھے، آپ انصار میں سے ہیں، آپ کا لقب بھی سید الانصار تھا، اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سید المسلمین کا لقب دیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو اقرأھم أُبَیْ کا لقب دیا گیا تھا، فنِ قرآت کو صحابۂ کرام رضوان

اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے، آپ کا علم بہت اونچا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی آپ کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لیے برابر حاضری دیا کرتے تھے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبیٔ کریم ﷺ کا انتقال ہوا اس وقت میری عمر بارہ تیرہ سال کی تھی، یعنی آپ بہت چھوٹے تھے، آپ فرماتے تھے کہ کم عمری کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سے جیسا فائدہ اٹھانا چاہیے ایسا موقع ہمیں نہیں ملا، اس لیے ہم نے سوچا کہ حضور ﷺ کا تو انتقال ہوگیا لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ جنہوں نے حضور ﷺ سے فیض اٹھایا ہے وہ ابھی بھی موجود ہیں، ہمارے لیے موقع ہے کہ ہم ان سے فائدہ حاصل کریں، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما علم حاصل کرنے کے لیے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے اور وہ بھی بڑے ادب واحترام کے ساتھ جاتے تھے، حالانکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبیٔ کریم ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں حضور ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں، آپ کے لیے حضور ﷺ نے دعا کی تھی: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہ الْکِتَابَ وَفَقِّھُہُ فِیْ الدِّیْنِ کہ اے اللہ! ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب اللہ کا علم دے اور دین کی سمجھ دے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے تو ان کے گھر آکر دروازہ کھٹکھٹاتے نہیں تھے بلکہ دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکلنے کا انتظار کرتے تھے، اس میں کبھی گھنٹہ، دوگھنٹہ اور تین گھنٹے بھی لگ جاتے تھے، جب وہ نکلتے تھے اور دیکھتے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہر ہیں، آپ حضور ﷺ کے چچازاد

بھائی ہیں اور حضور ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے ان کا حق بھی زیادہ ہے، حضرت ابی رضی اللہ عنہ ان سے کہتے تھے کہ آپ نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ مجھے بلا نہیں لیا؟ میں خود آجاتا اور آپ کے سوال کا جواب دے دیتا، اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عرض کرتے کہ نہیں، ایک عالم کی حیثیت امت میں ایسی ہے جیسے قوم میں نبی کی حیثیت، نبی کی جو عزت و مقام اور جو آداب مقرر کئے گئے ہیں وہ ان کے بھی ہیں، نبی کے لیے باری تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں ﴿اِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَّرَآءِ الحُجُرٰتِ اَكثَرُهُم لَا يَعقِلُونَ وَلَو اَنَّهُم صَبَرُوا حَتّٰى تَخرُجَ اِلَيهِم لَكَانَ خَيرًا لَّهُم وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ترجمہ: اے نبی! جو لوگ آپ کو باہر سے آوازیں دے کر بلاتے ہیں اور باہر آنے پر مجبور کرتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں سمجھ نہیں ہے، آپ کے آداب سے واقف نہیں ہیں، اگر وہ انتظار کرتے، آپ کو آواز دے کر باہر نہ بلاتے بلکہ آپ کے از خود باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

قبیلۂ بنو تمیم کا ایک وفد نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا تھا جو نبیٔ کریم ﷺ کا آرام کا وقت تھا وہ آئے اور باہر سے چلانا شروع کر دیا: يَا مُحَمَّدُ ! اُخْرُجْ اے محمد باہر آیئے ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں اور حضور ﷺ آرام میں تھے ان کی یہ بات حضور ﷺ کو بڑی گراں گذری، بہر حال جب انہوں نے آوازیں دیں تو حضور ﷺ باہر تشریف لے آئے اور اسی پر سورۂ حجرات کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کریمہ کو پڑھ کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کرتے کہ ایک عالم کا مقام لوگوں میں ایسا ہے جیسا

ایک نبی کا مقام امت میں اور نبی کا یہ ادب اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ میں آپ کے ساتھ بھی اسی ادب سے پیش آؤں، چنانچہ یہ ادب ہی تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم میں یہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ بہر حال صحابۂ کرام کے درمیان حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑا اونچا مقام تھا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ کہ اے ابی! مجھے باری تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ میں تم کو سورۂ لم یکن الذین کفروا الخ پڑھ کر سناؤں، تو حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر فرمایا؟ یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں تو دوبارہ پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق کہا گیا ہو کہ آپ اپنے صحابۂ کرام میں سے کسی کو یہ سورت سنائیں اور آپ نے اپنے طور پر تجویز کیا ہو۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا ہوتا پھر بھی حضرت ابی کے لیے بڑی سعادت کی بات تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے ان کا نام تجویز فرما رہے ہیں لیکن بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس انداز سے فرمایا تھا اس سے وہ یہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے نام نہ لیا ہو اس لیے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیکر کہا؟ تو کہا کہ ہاں اللہ تعالیٰ نے نام لیکر کہا، یہ سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اللہ تعالیٰ میرا نام لے رہے ہیں۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

بہر حال اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام کتنا بلند ہے

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر و بیشتر مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو آپ کو بلا کر پوچھتے تھے کہ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

٤٧٨ - حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا قِنَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ النَّهْمِيُّ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْسَجَةَ ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْأَشَرَةُ شَرٌّ".

ترجمہ: حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خود پسندی بہت بری چیز ہے۔

تشریح: خود پسندی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا، یہ بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے، کبھی بھی آدمی اپنے کو دوسرے سے اچھا نہ سمجھے، اپنے کو کمتر ہی سمجھے، اور ہر ایک کے بارے میں یہ سوچے کہ اس میں فلاں فلاں خوبیاں ہیں اور ان خوبیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہوگا اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اشعار ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس کو آپ بیتی میں بھی نقل کیا ہے۔

مُرا پیر دانائے روشن شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش	دوم آنکہ برغیر بدبیں مباش

کہ ہمارے شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ دریا کے کنارے پر مجھے دو باتیں نصیحت کے طور پر فرمائیں، ایک یہ کہ خود بینی مت کرو یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا نہ سمجھو اور دوسروں کے متعلق بد بینی مت کرو یعنی

دوسروں کو برا نہ سمجھو یہ چیز آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنتی ہے۔

بَابُ اصْطِنَاعِ الْمَالِ

٤٧٩ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَنَشُ بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا تُنْتَجُ فَرَسُهُ فَيَنْحَرُهَا فَيَقُولُ: أَنَا أَعِيشُ حَتَّى أَرْكَبَ هٰذَا؟ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ: أَنْ أَصْلِحُوا مَا رَزَقَكُمُ اللهُ فَإِنَّ فِي الْأَمْرِ تَنَفُّسًا .

مال کی حفاظت کرنا

ترجمہ: حضرت حنش بن حارث رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ جس علاقے میں ہم رہتے تھے وہاں ایک آدمی تھا جب اس کی گھوڑی کو بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس بچے کو ذبح کر دیتا اور یوں کہا کرتا کہ کہاں میں اتنا زندہ رہنے والا ہوں کہ اس بچے پر سواری کی مجھے ضرورت پیش آئے گی؟ (کب بچہ بڑا ہوگا؟ کب سواری کے قابل ہوگا؟ ابھی تو میری عمر پچاس، ساٹھ، ستر سال کی ہوگئی ہے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حکم آیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو روزی دی ہے اس کو ٹھیک طریقے سے اور سنبھال کے رکھو اس لیے کہ ہوسکتا ہے زندگی لمبی ہو جائے اور ضرورت پیش آئے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کو ضائع نہ کیا جائے اس لیے کہ اگر آپ انتقال کر گئے تب بھی وہ چیز تو محفوظ رہے گی اور دوسروں کے کام آئے گی، لیکن اس کو ضائع کر دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کو باقی رکھا جائے، آپ اس کو استعمال نہیں کر رہے ہیں تو کسی استعمال کرنے والے قدردان کو دے دیا جائے۔ ہم لوگ سفر میں

ہوتے ہیں اور کھانا بچ جاتا ہے تو پھینک دیتے ہیں، پھینکو مت بلکہ جو ضرورت مند ہے اسے دے دو۔

اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کا صحیح استعمال کریں

اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرنا چاہیے، ایسی کوئی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے وہ مال ضائع ہو، چاہے وہ معمولی چیز ہو۔ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں وہ مال کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور عطیہ سمجھ کر اس کے ساتھ قدردانی کا معاملہ کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اگر کوئی گلاس بھر کر پانی لیتا اور آدھا پی کر باقی ضائع کر دیتا جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے تو اس پر حضرت بہت ناراض ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ پھینکا کیوں؟

پانی اور کاغذ وغیرہ کو معمولی نہ سمجھیں

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جہاں پانی میسر نہیں ہے وہاں جا کر پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ یہاں پر (سورت میں) سیلاب کے زمانے میں لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ پانی کے نہ ہونے سے ان کا کیا حال ہوا تھا۔ گذشتہ سال ہی کا واقعہ ہے کہ لوگ ایک پاؤچ پانی کے لیے لاکھوں روپیے دینے کو تیار تھے، جب نعمت چلی جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی خط ایسا آتا کہ لکھنے والے نے آدھا لکھا اور آدھا خالی رکھا ہے تو حضرت اس کو باقاعدہ قینچی سے کٹوا کر پرچی رکھوا دیا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ایک مرتبہ دیکھا کہ کھجور کا ایک دانا پڑا ہوا ہے تو آپ نے یہ سمجھ کر کہ کہیں ضائع نہ ہو آپ نے اسے اٹھا کر کھا لیا یہ واقعہ حکایات صحابہ میں موجود ہے۔رات کے وقت یہ خیال آیا کہ وہ دانہ صدقہ کے مال سے نہ ہو یہ سوچ کر آپ کی نیند اڑ گئی ،جن ام المؤمنین کے یہاں شب باشی تھی انہوں نے پوچھا کیا بات ہے کروٹیں بدل رہے ہیں اور نیند نہیں آتی ؟ فرمایا کہ گھر میں کھجور کا دانہ پڑا ہوا تھا وہ ضائع نہ ہو اس نیت سے اٹھا لیا اور کھا لیا لیکن اب یہ خیال آ رہا ہے کہ وہ صدقہ کے مال کا نہ ہو اس خیال سے میری نیند اڑ گئی ہے۔اس واقعہ سے یہ بتلانا ہے کہ حضور ﷺ نے اس نیت سے اٹھایا تھا کہ ضائع اور برباد نہ ہو اس لیے اٹھا کر کھا لیا لیکن اب یہ خیال آ گیا کہ کہیں وہ صدقہ کا نہ ہو۔ ہمارے پاس جب فراوانی سے کوئی چیز ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی چھوٹی چھوٹی نعمتوں کی ہم قدر نہیں کرتے ،ان کو ضائع کر دیتے ہیں اور پھینک دیتے ہیں، بھائی! آپ استعمال نہ کریں تو کسی اور کو دے دیں تا کہ وہ باقی حصے کو استعمال کر لے۔ یہاں یہ باب قائم کر کے اسی کو بتلانا چاہتے ہیں۔

٤٨٠ - حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا تَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَغْرِسْهَا .

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہے اور وہ اس کو گاڑھ سکتا ہے (یعنی بو سکتا ہے) تو بوئے بغیر وہاں سے نہ اٹھے۔

تشریح: کھجور کا جو پودا ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ بونے کے لیے لیا جاتا ہے اس کو فسیلہ کہتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہوجائے تب بھی اس کو ضرور بوئیں۔ کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اب تو قیامت قائم ہوگئی اب تو اس سے آگے فائدہ اٹھانے کی کوئی توقع نہیں رہی تو اب بونے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ اس لیے فرمارہے ہیں کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس کو ضائع نہ کریں اس لیے کہ آپ اس کو چھوڑ دیں گے تو وہ بیکار ہوجائیگا، کوئی بھی چیز اس طرح مفت میں ضائع کرنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

٤٨١ - حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ الْبَجَلِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ حِبَّانَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ: قَالَ لِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم: إِنْ سَمِعْتَ بِالدَّجَّالِ قَدْ خَرَجَ، وَأَنْتَ عَلَى وَدِيَّةٍ تَغْرِسُهَا، فَلَا تَعْجَلْ أَنْ تُصْلِحَهَا، فَإِنَّ لِلنَّاسِ بَعْدَ ذَلِكَ عَيْشًا .

ترجمہ: حضرت داود بن ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آپ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، یہودیوں کے بڑے عالم تھے، جب نبیٔ کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا) نے مجھ سے کہا کہ تم نے سنا کہ دجال کا ظہور ہوگیا (اس لیے کہ دجال کے ظہور کے بعد قیامت قائم ہونے میں کوئی زیادہ زمانہ نہیں رہے گا) اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی پودا ہے جس کو تم بونے جارہے ہو تو گویا اس کو بونے سے پہلے جلد بازی مت کرنا (یعنی یہ مت کرنا کہ دجال کا ظہور ہوگیا اس لیے آپ نے اس کو چھوڑ دیا) اس لیے کہ لوگوں کی اس کے بعد

بھی زندگی ہے (مطلب یہ ہے کہ تم نہیں تو کوئی دوسرا اس سے فائدہ اٹھائے گا)۔

تشریح: حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو ضائع نہ کیا جائے۔ ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے وزیر کے ساتھ جا رہے تھے ایک بوڑھا شخص کھجور کا پودا لگا رہا تھا، ہارون رشید نے بوڑھے سے کہا کہ تم یہ کھجور کا پودا لگا رہے ہو کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اس کا پھل کھاؤ گے؟ (ہارون رشید نے یہ اس لیے کہا کہ کھجور کا درخت ذرا تاخیر سے پھل لاتا ہے) اس پر بوڑھے نے کہا کہ ہر بونے والا اگر یہی سوچ کر بوتا تو ہمیں کھجور کا ایک دانا بھی کھانے کو نہیں ملتا، اس پر ہارون رشید نے وزیر سے کہا کہ اسے پانچسو درہم انعام دو، پانچسو درہم انعام ملنے پر بوڑھے نے کہا کہ میرا پودا تو ابھی پھل لے آیا، تو کہا کہ دوسرا پانچسو دو، اس نے کہا کہ میرا پودا تو سال میں دو مرتبہ پھل لاتا ہے، کہا کہ تیسرے پانچسو دو۔

بَابُ دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

۴۸۲ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ".

مظلوم کی بددعا کے بارے میں

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں، ایک مظلوم کی، دوسری مسافر کی اور تیسری باپ کی بددعا اپنے بیٹے کے لیے۔

تشریح: مظلوم کی بددعا ضائع نہیں جاتی جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے

[اِيَّاكَ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّه لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ]،حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبیٔ کریم ﷺ نے جو نصیحتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ مظلوم کی بد دعا سے بچنا اس لیے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

فارسی میں شاعر نے کہا ہے کہ:

بترس از آہِ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن	اجابت از درحق بحر استقبال می آید

یعنی مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت سامنے سے اس کا استقبال کرتی ہے۔ اور مسافر کی دعا اس لیے قبول ہوتی ہے کہ حالت سفر میں ایک شکستگی کی سی کیفیت ہوتی ہے، آدمی پراگندہ حال ہوتا ہے تو اس حالت میں اس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوجاتا ہے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اور باپ کی دعا اس لیے قبول ہوتی ہے کہ عموماً باپ اپنے بیٹے کے لیے بد دعا نہیں کرسکتا، لیکن جب کررہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ حالات بڑے سنگین ہیں، بیٹے کی طرف سے باپ کو بہت سخت ستایا گیا ہے تب ہی اس کی زبان سے بد دعا نکل رہی ہے۔

بَابُ سُؤَالِ الْعَبْدِ الرِّزْقَ مِنَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لِقَوْلِهِ: ارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

٤٨٣ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ،

عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رضی الله تعالیٰ عنه وعنهم، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ نَظَرَ نَحْوَ الْيَمَنِ فَقَالَ: "اللهُمَّ أَقْبِلْ بِقُلُوبِهِمْ"، وَنَظَرَ نَحْوَ الْعِرَاقِ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَنَظَرَ نَحْوَ كُلِّ أُفُقٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَلِكَ، وَقَالَ: "اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ تُرَاثِ الْأَرْضِ، وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا.

بندہ کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے رزق طلب کرنا

اوردعا کرنا کہ اے باری تعالیٰ تو ہمیں روزی دے، تو بہترین روزی دینے والا ہے۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن کی سمت دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! یمن والوں کے دلوں کو متوجہ فرما (یعنی ایمان اور اسلام کی طرف متوجہ فرما دے تاکہ وہ ایمان اور اسلام کو قبول کریں) اسی طریقے سے عراق کی سمت آپ نے چہرا پھیرا اور ان کے لیے بھی اسی طرح دعا کی کہ اے اللہ! ان کے دلوں کو متوجہ فرما (اسلام کی طرف ایمان کی طرف مائل فرما دے) اسی طرح دنیا کے اور دوسرے کنارے اور سمتوں کی طرف آپ نے نظر کر کے اسی طرح دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اس سمت کے رہنے والوں کے دلوں کو ایمان اور اسلام کی طرف مائل فرما، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! زمین کی وراثت سے ہمیں روزی عطا فرما اور ہمارے مُد اور صاع میں برکت دے۔

صاع اور مد کی تشریح

تشریح: صاع ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے جو تقریباً ساڑھے تین کیلو کے وزن کے برابر ہوتا ہے، یہ ناپنے کا آلہ ہے، وزن کا نہیں اور مُد صاع کے

چوتھائی حصہ کو کہتے ہیں، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے مد اور صاع میں برکت دے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں مُد اور صاع کے ذریعے سے ناپی جاتی ہیں ان میں برکت دے۔ اس زمانے میں عام طور پر گیہوں، چاول اور دوسری چیزیں جو کھانے پینے اور غلے کے قبیل سے ہوا کرتی تھیں ان کو ناپنے کا رواج تھا۔

دنیا ہمیشہ کسی ایک ہاتھ میں نہیں رہتی

جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا ہے وہ کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہیں رہتی، جو جاتا ہے وہ دوسرے کے لیے چھوڑ کر جاتا ہے، اسی لیے اس کو میراث سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا پہلے جس کے ہاتھ میں تھی اس کے پاس سے نکل کر بعد میں آنے والے کی میراث بن گئی۔ زمین کی وراثت سے مراد زمین میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو نعمتیں اور جو خزانے رکھے ہیں وہ مراد ہیں، آپ ﷺ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اگلی قوموں، امتوں اور اگلے لوگوں کو جو نعمتیں دی تھیں اب ہمیں بھی وہ عطا فرما۔

روزی مانگنا بھی سنت ہے

بہرحال یہاں یہ روایت اس لیے لائے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے روزی کا سوال کیا، معلوم ہوا روزی مانگنا بھی سنت ہے اور اگر سنت کی نیت سے مانگے گا تو ہم خرما و ہم ثواب یعنی ثواب بھی ہے اور فائدہ بھی ہے۔ روزی کا سوال کرنا، روزی کے لیے دعا کرنا یہ بھی گویا ایک سنت طریقہ ہے، سنت سمجھ کر کریں گے تو اس میں روزی تو ملے گی ہی لیکن اس کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

بَابُ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ

٤٨٤ - حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ.

ظلم قیامت کے روز تاریکیوں کی شکل اختیار کرے گا

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ظلم سے بچو، اس لیے کہ ظلم قیامت کے روز اندھریوں کی شکل اختیار کرے گا اور حرص کے ساتھ ملے ہوئے بخل سے بچو کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، ان لوگوں کو اس بیماری نے آمادہ کیا اس بات پر کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون بہائیں اور اس بات پر آمادہ کیا کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کریں۔

تشریح: جانی ہو یا مالی دونوں اعتبار سے کسی پر ظلم مت کرو، کسی کا حق مت مارو، کسی پر زیادتی مت کرو، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، جس آدمی نے دنیا میں ظلم کا ارتکاب کیا ہے، لوگوں کی حق تلفی کی ہے، لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے کل قیامت میں اس کے لیے اندھریاں ہوں گی یعنی صحیح راستہ اس کو نہیں سوجھے گا، یہ چیز اس کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔

شح عربی میں ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں بخیل ہے اور جو اپنا حق نہیں ہے اس کو بھی لینے کے لیے وہ تیار ہے،

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ جس کے اندر یہ مرض رذیلہ ہے یہ روحانی اور دل کی بیماری ہے، اسی بیماری کے نتیجے میں بہت ساری برائیاں وجود میں آتی ہیں، اسی کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ کی نوبت آتی ہے۔ اسی کی وجہ سے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کریگا۔ اس بیماری کے نتیجے میں ایک دوسرے پر تہمتیں لگائے گا، ایک دوسرے کو تکلیفیں پہنچائے گا، اس لیے آپ ﷺ نے خصوصاً اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

٤٨٥ - حدثناحَاتِمٌ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُنْكَدِرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي مَسْخٌ، وَقَذْفٌ، وَخَسْفٌ، وَيُبْدَأُ بِأَهْلِ الْمَظَالِمِ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے آخری زمانے میں تین چیزیں ہوں گی، چہرے بدل دئے جائیں گے، اور آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے اور زمین میں دھسا زئے جائیں گے اور ان عذابوں کی ابتداء ان لوگوں سے ہوگی جو لوگوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

تشریح: آخری زمانہ میں اس امت پر چند عذاب واقع ہوں گے کہیں چہرے بدل جائیں گے یعنی انسان کا چہرا بدل کر کسی جانور کا چہرا مثلاً بندر، سور وغیرہ کا چہرا بنادیا جائے گا یا اور کسی طرح چہرے کی ہیئت بدل دی جائے گی۔

عام عذاب سے حفاظت کا وعدہ

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جس طرح پچھلی قومیں عام عذاب سے

پوری کی پوری ہلاک کر دی گئیں،قوم لوط پر آسمان سے پتھر برسے اور پوری قوم کو الٹ کر ہلاک کر دیا گیا،قوم نوح پر بارش کا پانی برسایا گیااور پوری قوم کوڈبوکر ہلاک کر دیا گیا،بعض قوموں پرآگ برسائی گئی اور وہ ہلاک کر دئے گئےتو کیاامت محمدیہ ﷺ پر بھی اس طرح عام عذاب آئیگا؟اس کا جواب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! جس طرح اگلی امتوں پرآسمان سے عذاب آیا،اور زمین کی طرف سے عذاب کی جوشکلیں ہوئیں میری امت کواس طرح عذاب سے ہلاک نہ کرنا،اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اس لیے پوری امت تو نبیٔ کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ہلاک نہیں ہوگی، لیکن جزوی طور پر کہیں کہیں ایسی شکلیں ہوں گی جیسا کہ دنیا کے مختلف حصوں اور علاقوں میں کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے چہرے مسخ کر دئے گئے،ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے،آگ برسائی گئی،زمین میں ان کو دھساک یا گیا۔ اور یہ خاص عذاب کی ابتداءان لوگوں سے ہوگی جوظلم کرنے والے ہیں یعنی بندوں کے حقوق کوضائع اور برباد کرتے ہیں۔

٤٨٦ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمَاجِشُونِ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله تعالىٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت لائے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

تشریح: جیسے جیسے آدمی گناہ کرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز گناہ کو

اس کے مناسب شکل عطا فرمائیں گے، ظلم یعنی لوگوں کے حقوق مارنا، لوگوں کے ساتھ زیادتی کرنا یہ جو گناہ اس سے صادر ہوا ہے قیامت کے روز اس کو اندھیریوں کی شکل دی جائے گی اور یہ اس کے لیے ہلاکت کا ذریعہ بنے گا۔

٤٨٧ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، وَإِسْحَاقُ قَالَا: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنهم، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّونَ مَظَالِمَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتَّى إِذَا نُقُّوا وَهُذِّبُوا، أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُولِ الْجَنَّةِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَأَحَدُهُمْ بِمَنْزِلِهِ أَدَلُّ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا .

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والے جب جہنم سے نجات پا جائیں گے اس کے بعد جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل ہے اس پر ایمان والوں کو روک دیا جائے گا۔ دنیا میں ایمان والوں میں جو آپس کی حق تلفیاں ہوئیں تھیں اس کا برابر بدلہ دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ بالکل پاک صاف اور مہذب بنا دئے جائیں گے تو اب جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ جنتیوں میں سے ہر ایک اپنے مکان کو اس سے زیادہ اچھا پہچانے گا جیسے دنیا میں اپنے مکان کو پہچانتا ہے۔

پل صراط کا مختصر تذکرہ

تشریح: جہنم پر ایک پل ہے جس کو پل صراط کہتے ہیں اس پر سے ہر شخص کو گذرنا ہے، جس کا جہنم میں جانا مقدر ہے وہ تو کٹ کر اسی میں گر جائے گا اور جس کے

لیے اللہ تعالیٰ نے جہنم سے نجات پانا مقدر فرمایا ہے وہ اس کو پار کر جائیگا اور پار کرنے والے بھی اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوں گے، بعض اللہ کے بندے وہ ہوں گے جو بجلی کی طرح پار کرلیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض دوڑتے ہوئے، بعض پیدل اور بعض گرتے پڑتے، بہرحال پار کرلیں گے، جن لوگوں کا جہنم میں جانا مقدر ہوگا وہ لوگ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے۔

جنت میں داخلہ سے پہلے ایک اور پل

جو لوگ پل صراط پار کرلیں گے وہ لوگ اس کے بعد فوراً جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ اس کے بعد بیچ میں ایک پل جیسی شکل ہوگی (جیسے اسٹیشنوں پر پل ہوتے ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کے اندر اس کو واضح کیا ہے) وہاں روک لیے جائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کیا تھا اس کا بدلہ دلوایا جائیگا، بلکہ اگر کسی پر بدگمانی تک کی ہے اس کے بارے میں بھی پوچھا جائیگا، روایتوں میں آتا ہے کہ اس سے پوچھا جائیگا کہ تو نے تیرے فلاں بھائی کے متعلق بدگمانی کی تھی کیا دلیل ہے تیرے پاس؟ اس کے بعد جنت میں داخلے کی اجازت ملے گی۔ اور وہ لوگ جنت میں جب داخل ہوں گے تو سیدھے اپنے مکان پر اس طرح پہنچ جائیں گے جیسا ہم اپنے مکان پر بغیر کسی راہنمائی کے پہنچ جاتے ہیں جیسا ایک سورت کا رہنے والا جب سورت کے باہر گیا ہو اور واپس آئے گا تو اپنے مکان کو بتلانے کے لیے کسی راہنما کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح جنت میں جانے کے بعد بھی اس کے لیے جو جگہ اور مکان تجویز ہوا ہے وہاں پہنچانے کے لیے کوئی راہنما نہیں ہوگا بلکہ خود پہنچ جائے گا۔ علماء نے اس پر

ایک نکتہ لکھا ہے کہ جو کچھ جنت میں ملے گا جنت کے مکان اور جنت کی نعمتیں یہ سب اس کے اعمال کے بدلے میں ملا ہے اور ہر شخص اپنے نیک اعمال کو خوب جانتا ہے اسی طرح ان اعمال کی جو شکلیں ہوں گی ان کو بھی خوب جانے گا۔

٤٨٨ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ، فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّهُ دَعَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَقَطَعُوا أَرْحَامَهُمْ، وَدَعَاهُمْ فَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم ظلم سے بچو (یعنی کسی کی حق تلفی مت کرو، کسی پر جانی یا مالی اعتبار سے، یا عزت وآبرو کے اعتبار سے زیادتی مت کرو) اس لیے کہ یہ ظلم قیامت کے روز اندھیریوں کی شکل میں ظاہر ہوگا اور اپنے آپ کو بے حیائی سے بھی بچاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے ارتکاب کرنے والے کو اور بہ تکلف بے حیاء بننے والے کو پسند نہیں کرتا، اپنے آپ کو ایسا بخل جو لالچ کے ساتھ ملا ہوا ہو اس سے بھی بچاؤ اس لیے کہ اس برائی نے تم سے پہلے والے لوگوں کو رشتہ داری کے حقوق کو ضائع کرنے پر آمادہ کیا اور ان کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔

تشریح: بعض لوگوں کے مزاج ہی میں بے حیائی ہوتی ہے، ان کے ہر لفظ سے بے حیائی ٹپکتی ہے جب وہ بولتے ہیں تو بے حیائی والے الفاظ بولتے ہیں، کوئی حرکت کر رہے ہیں تو بے حیائی ظاہر ہوتی ہے ایسے لوگوں کو عربی میں فاحش کہتے ہیں اور

بعض وہ ہیں جن کے مزاج میں بے حیائی نہیں ہے لیکن کبھی کبھی وہ لوگ بھی مجلس کے رنگ کی رعایت کرتے ہوئے بے حیاء بننے لگتے ہیں مثلاً مجلس بے حیائی والی ہے تو وہ بھی بے حیاء بن جاتے ہیں ان کو عربی زبان میں متفحش کہتے ہیں۔

بخل جس کے ساتھ لالچ بھی ملی ہو اس کو عربی زبان میں ''شح'' کہتے ہیں، یہ دل کی بیماری ہے یعنی وہ بیماری جو دل میں ہو۔ یہ ایسی شدید لالچ ہے جس کے نتیجے میں اگلے لوگوں میں دو برائیاں آئیں، ایک تو اس کی وجہ سے رشتہ داری کے حقوق ضائع کئے اس لیے کہ بخل ہوگا تو وہ حقوق ادا نہیں کرے گا، یعنی ایک دوسرے کی چیز پر ہاتھ ڈالنا، تکالیف پہنچانا یہ سب اسی کے نتیجے میں ہوتا ہے دوسری برائی اس بخل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کیا۔

٤٨٩ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مِقْسَمٍ، عَنْ جَابِرٍ رضى الله تعالى عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ.

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ ظلم اور حق تلفی یعنی لوگوں کے حقوق کو ضائع کرنے سے بچو اس لیے کہ یہ ظلم قیامت کے دن اندھیریوں کی شکل میں نمودار ہوگا اور وہ لالچ جو بخل کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس سے بھی بچو اس لیے کہ اس نے اگلے لوگوں کو ہلاک کیا اور ان کو آپس میں ایک دوسرے کے خون کو بہانے اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے پر آمادہ کیا۔

٤٩٠ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى قَالَ: اجْتَمَعَ مَسْرُوقٌ وَشُتَيْرُ بْنُ شَكَلٍ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَقَوَّضَ إِلَيْهِمَا حِلَقُ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ مَسْرُوقٌ: لَا أَرَى هٰؤُلَاءِ يَجْتَمِعُونَ إِلَيْنَا إِلَّا لِيَسْتَمِعُوا مِنَّا خَيْرًا، فَإِمَّا أَنْ تُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَأُصَدِّقَكَ أَنَا، وَإِمَّا أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ فَتُصَدِّقَنِي؟ فَقَالَ: حَدِّثْ يَا أَبَا عَائِشَةَ، قَالَ: هَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ، وَالرِّجْلَانِ تَزْنِيَانِ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ .

قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَجْمَعَ لِحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَأَمْرٍ وَنَهْيٍ، مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ: ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾ [النحل] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَسْرَعَ فَرَجًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا﴾ [الطلاق] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ .

قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللهِ يَقُولُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدَّ تَفْوِيضًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ﴾ [الزمر] قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ .

ترجمہ: حضرت ابوالضحیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد میں حضرت مسروق اور شتیر ابن شکل رحمہما اللہ جمع ہوئے (دونوں تابعین میں سے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں) ان کو دیکھ کر سب اپنے حلقے چھوڑ کر (مسجد میں مختلف حلقے لگئے ہوئے تھے اور پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری تھا، کوئی قرآن سیکھ رہا تھا، کوئی

حدیث پڑھ رہا تھا، کوئی مسائل سیکھ رہا تھا) ان کے پاس جمع ہو گئے (جب کوئی بڑا آدمی آتا ہے تو لوگ اپنے کام کاج چھوڑ کر بڑے آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں) یہ منظر دیکھ کر حضرت مسروق رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی شتیر ابن شکل رحمہ اللہ سے کہا کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ لوگ ہمارے پاس اس لیے جمع ہوئے کہ کوئی اچھی بات سنیں (خود حلقوں میں بیٹھے ہوئے تھے اپنے حلقوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس جمع ہو گئے وہ اس لیے کہ وہ ہم سے کوئی اچھی بات سننا چاہتے ہیں) حضرت مسروق رحمہ اللہ نے اپنے ساتھی شتیر رحمہ اللہ سے کہا: یا تو تم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے کوئی بات بیان کرو اور میں تمہاری تصدیق کروں گا (یعنی میں نے سنی ہوگی تو میں کہوں گا کہ انہوں نے ایسا کہا ہے، اس لیے کہ جب ایک استاذ کے دوشاگرد ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک شاگرد جب بیان کرتا ہے تو دوسرا شاگرد کہتا ہے کہ ہاں استاذ نے اسی طرح فرمایا تھا) یا میں بیان کروں اور تم میری تصدیق کرنا، تو اس پر شتیر ابن شکل رحمہ اللہ نے حضرت مسروق رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آپ بیان کرو، حضرت مسروق رحمہ اللہ نے بیان کرنا شروع کیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں، دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں، دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرم گاہ ان کے افعال کو یا تو جھٹلاتی ہے یا ان کی تصدیق کرتی ہے۔ تم نے یہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہتے ہوئے سنا؟ اور کہا کہ میں نے بھی سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں میں نے سنا تھا اور حضرت مسروق رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے بھی سنا اور مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ان کو پوچھا کہ کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت جو حلال اور حرام اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کو جامع ہو اس سے بڑھ کر نہیں ہے؟ ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى﴾ (سورۃ النحل کی آیت ہے بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم کرتے ہیں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا اور بھلائی اور حسن سلوک کرنے کا

اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا اور بے حیائی کی باتوں سے اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنے کا، کہا کہ کیا یہ سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں تو مسروق کہتے ہیں میں نے بھی سنا، کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قرآن کے اندر اس سے زیادہ کشادگی والی آیت نہیں جس میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، تقویٰ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور چھٹکارے کا راستہ نکالے گا، کہا کہ کیا یہ سنا؟ تو کہا کہ جی ہاں میں نے بھی سنا۔ کیا تم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن میں اس سے زیادہ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والی کوئی آیت نہیں، باری تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے وہ بندو! جنہوں نے میری نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔

تشریح: زنا کا گناہ جو انجام دیا جاتا ہے اس میں آدمی کا پورا بدن حصہ لیتا ہے، ہر ہر عضو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس سے لذت اٹھاتا ہے، آنکھیں اس مزنیہ عورت کو دیکھ کر اس کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہوتی ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے (اَلْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا اَلنَّظْرُ) آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا کسی پرائی عورت کو شہوت کے ساتھ دیکھنا ہے، کان باتیں سن کر لطف اندوز ہوتے ہیں، (وَالْيَدَانِ يَزْنِيَانِ) ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ہاتھ کا زنا اس کو پکڑنا، اس کو خط لکھنا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھ سے جو بھی کام کیا جائیگا سب اس میں آجاتا ہے، اس سے بات کرنے کے واسطے موبائل استعمال کرنا یہ بھی ہاتھ کا زنا شمار ہوگا۔ (وَالرِّجْلَانِ يَزْنِيَانِ) اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں، پاؤں کا زنا اس کی طرف چل کر

جانا ہے، گاڑی چلا رہا ہے تو گاڑی چلاتے وقت اس کا پاؤں استعمال ہوگا وہ بھی اسی میں داخل ہے، گویا ہر ہر عضو جو زنا کا ارتکاب کرنے کے لیے اپنی طرف سے جو حصہ دیتا ہے اس کے حصے کو زنا سے تعبیر کیا گیا۔ اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یعنی آخری اور حتمی نتیجہ اسی سے ظاہر ہوگا یعنی آگے وہ کام وجود میں آگیا تو گویا سب پر مہر لگ گئی، اگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائی، احساس ہو گیا، ساری حرکتیں کر کے پہنچا تو سہی لیکن عین وقت پر حقیقتاً اس کام کو انجام دینے سے رکا تو یہ سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر کر لیا تو سارے گناہوں پر مہر لگ جائیگی اسی کو تصدیق سے تعبیر کیا ہے۔

نافرمانی سے بچنے کی خود کوشش کرو اللہ تعالیٰ راستہ نکالے گا

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لیجانے والے بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اب ہمارے لیے رہائی، چھٹکارہ اور اس گناہ سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں لیکن اگر وہ استقامت کا مظاہرہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے خود کو بچائے گا تو اللہ تعالیٰ راستہ نکالے گا، بھائی تجارت میں ایسا موقع آگیا کہ سب ایسا کہتے ہیں کہ اب تو آپ کو سودی قرض لیے بغیر کوئی چارہ نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ نہیں یہ تو گناہ کا کام ہے کچھ بھی ہو جائے چاہے میری تجارت ختم ہو جائے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا، آپ جمے رہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچایا تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے راستہ نکالیں گے، اور اگر کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو گئی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور رو دھو کر توبہ کر لو، اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا

دروازہ کھلا ہوا ہے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا ہی رہتا ہے آؤ! اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ	گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست	صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تم جو کچھ بھی ہو کیا ہو آؤ اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف لوٹو جو بھی ہو کافر ہو، بت پرست ہو، آتش پرست ہو باز آ جاؤ یہ ہمارا دربار ہے یہ ناامیدی کی جگہ نہیں ہے، سو بار بھی اگر تمہاری توبہ ٹوٹے پھر بھی آ جاؤ۔

٤٩١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ مُسْهِرٍ - أَوْ بَلَغَنِي عَنْهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنه وعنهم، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ: ''يَا عِبَادِي، إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ مُحَرَّمًا بَيْنَكُمْ فَلَا تَظَالَمُوا. يَا عِبَادِي، إِنَّكُمُ الَّذِينَ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ، وَلَا أُبَالِي، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ. يَا عِبَادِي، كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ. يَا عِبَادِي، كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مِنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ. يَا عِبَادِي، لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْكُمْ، لَمْ يَزِدْ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، وَلَوْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ، لَمْ يَنْقُصْ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا، وَلَوِ اجْتَمَعُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا سَأَلَ، لَمْ يَنْقُصْ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا،

إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْبَحْرُ أَنْ يُغْمَسَ فِيهِ الْخَيْطُ غَمْسَةً وَاحِدَةً. يَاعِبَادِي، إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أَجْعَلُهَا عَلَيْكُمْ، فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَلُومُ إِلَّا نَفْسَهُ'' كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ إِذَا حَدَّثَ بِهَذَا الْحَدِيثِ جَثَى عَلَى رُكْبَتَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ باری تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اور تمہارے آپس میں بھی میں نے اس کو حرام قرار دیا اس لیے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم مت کرو (کسی کی حق تلفی مت کرو، کسی کے ساتھ زیادتی مت کرو) اے میرے بندو! تم وہ لوگ ہو جو رات کو اور دن کو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہو اور میں گناہوں کو معاف کرتا ہوں مجھے کوئی پروانہیں (چاہے کتنے ہی گناہ کیوں نہ ہوں) اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر وہ جس کو میں کھانا دوں اس لیے مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے مگر وہ جس کو میں کپڑا دوں اس لیے تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تم کو کپڑا دوں گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، تمہارے انسان اور جنات تم میں جو سب سے زیادہ نیک ہے اس جیسے دل والے ہو جائیں (یعنی سب نیک بن جائیں) تو ان کی یہ نیکی میری عزت اور بڑائی میں کوئی زیادتی اور اضافہ نہیں کرے گی اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جنات اور انسان تم میں جو سب سے بدکار آدمی ہے ویسے بن جائیں (یعنی سب میرے نافرمان بن جائیں) تو اس سے میری عظمت اور بڑائی میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے جنات و انسان سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب مجھ سے اپنی ساری حاجتیں مانگیں اور جو جو وہ مانگ رہے ہیں میں وہ سب دے دوں تو ان کی مانگوں کو پورا کرنے سے میرے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی مگر اتنا جیسا کسی نے سمندر کے اندر سوئی کو جلدی سے ڈبویا اور نکالا (اس سوئی پر جتنا

پانی آئے گا اتنی کمی آئے گی) اے میرے بندو! یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو میں تمہاری طرف لوٹا تا ہوں (یعنی تم کو جو حالات پیش آتے ہیں تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں) تم سے کوئی بھلائی اور اچھی چیز دیکھیں تو اللہ کا شکر ادا کریں اس کی حمد وثناء کریں اور جو کچھ دوسری شکل نظر آئے اس میں اپنے علاوہ کسی اور پر ملامت نہ کرے (وہ اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے) ابو ادریس خولانی اس روایت کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں جب وہ بیان کرتے تھے تو (اس کی عظمت کی وجہ سے) بالکل گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے۔

تشریح: جس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرمائیں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ایسی حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہوں یعنی میں ظلم نہیں کرتا جیسے کوئی آدمی کسی کام کو انجام دینے کا پابند بنایا گیا ہو اسی طرح میں نے بھی اپنے آپ کو ظلم نہ کرنے والے کام کا پابند بنایا ہے اس لیے میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

آدمی جب توبہ کرتا ہے تو چاہے زمین کی سطح سے لیکر آسمان تک پوری فضا گناہوں سے بھری ہوئی ہو تو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، ہم بندوں کا حال تو یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی کو معاف کیا، دو مرتبہ معاف کیا، تین مرتبہ معاف کیا، پھر کہے گا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں تجھے تو معافی مانگنے کی عادت ہوگئی ہے، باپ بھی بیٹے کو کہے گا کہ کتنی مرتبہ معاف کروں یا کتنی نافرمانیاں معاف کروں تیری تو نافرمانیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے، تو نے تو شرارتوں کا ڈھیر لگا دیا، اللہ تعالیٰ تو ارحم الراحمین ہے، ماں باپ سے کئی گنا زیادہ مہربان ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے بندو!

گناہوں کی مجھ سے معافی مانگو میں تمہارے گناہوں کو معاف کروں گا۔ اسی طرح دنیا میں کوئی کتنا ہی بڑا سخی ہو اگر مانگنے والوں کا جھمگٹا ہو جائے اور سب کئی کئی چیزیں مانگ رہے ہوں تو وہ بھی تنگ آجاتا ہے اور گبھرا جاتا ہے، باری باری ہو تو ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ آدمی کو اپنی ہر چیز اور اپنی ہر چھوٹی بڑی حاجت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہیے۔ ہمارے بعض اکابر ایسے گذرے ہیں کہ دعا میں نمک بھی اللہ ہی سے مانگتے تھے، اپنے جوتے کا تسمہ اور چپل کی پٹی ٹوٹ جاتی ہے تو اسے بھی اللہ ہی سے مانگتے ہیں۔